مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: فقہاء کرام نے محقق ابن ہمامؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا، تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے۔
(مجالس مفتی اعظم، مفتی عبدالرؤف سکھروی، ص ۶۲۴، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء۔)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے سیاسی تفردات اور تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریاں

☆ تفردات ☆ دار العلوم دیوبند سے علیحدگی ☆ ابتداء میں وفاق المدارس کا بائیکاٹ
☆ جمعیت علماء اسلام کی مخالفت ☆ مودودیوں سے قربت خود ان کی زبانی ☆
پرویز مشرف کی کابینہ میں شمولیت ☆ و دیگر مسائل و امور۔۔۔

بولتے حقائق، مدلل انداز میں حقیقت پسندانہ تاریخی اور سیاسی جائزہ

مؤلف
مولانا محمد اسحاق باجوڑی
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی
استاذ حدیث جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی
رکن جمعیت علماء اسلام پاکستان

مکتبہ الصادق
مہران ٹاؤن، کورنگی، کراچی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: فقہاء کرام نے محقق ابن ہمامؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا، تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے۔ (مجالس مفتی اعظم، مفتی عبدالرؤف سکھروی، ص ۶۲۴، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء۔)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کے سیاسی تفردات

اور

تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریاں

بولتے حقائق، مدلل انداز میں حقیقت پسندانہ تاریخی اور سیاسی جائزہ

مؤلف: مولانا محمد اسحاق باجوڑی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

استاذ حدیث جامعہ انوار العلوم

مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

رکن جمعیت علماء اسلام پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر

انتساب ۸

پیش لفظ ۹

مقدمہ

۱......تفردات کو قبول نہ کرنا ۲۰

۲......حدود میں رہتے ہوئے اپنے مشائخ سے اختلاف کرنا مذموم نہیں ۲۱

۳......سلف کا اپنے مشائخ اور اساتذہ سے اختلاف کے واقعات ۲۴

۴......تھانوی حضرات کا اپنے مشائخ اور اساتذہ سے اختلافات ۲۶

(۱) حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اپنے اساتذہ اور مشائخ سے اختلاف کرنے کے واقعات: ۲۷

(۲) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا اپنے استاذ سے اختلاف: ۲۹

(۳) شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا کئی مسائل میں اپنے اساتذہ اور مشائخ سے اختلاف: ۳۱

۵......حضرت تھانوی صاحبؒ کا سیاسی میدان سے عملی تعلق نہ ہونا ۳۴

۶......اقوال ضعیفہ کی وجہ سے بزرگوں پر بھی جرح اور تنقید ہوسکتی ہے ۳۷

۷......کتاب لکھنے کے اسباب ودواعی ۳۹

۸......اصاغر کے اپنے اکابر سے اختلاف کا جواز ۴۲

۹......اکابر کی گستاخی اور ان پر بدزبانی کرنا سخت نقصان دہ ہے ۴۴

......﴿باب اول﴾......

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے سیاسی تفردات

۱......امور مملکت سر انجام دینا علماء کا کام اور فرض منصبی نہیں ہے ۴۹
تجزیہ ۵۰
اولاً: خلفاء راشدینؓ اور تابعینؒ کا عمل ۵۱
ثانیاً: خلیفہ کے لئے عالم ہونے کی شرط ۵۲
۲......تزکیہ نفس کے بغیر سیاسی جدوجہد سے روکنا ۵۲
تجزیہ ۵۳
اولاً: تزکیہ اور تقوی کے حصول تک جہاد اور سیاست کو موقوف کرنے کی بات محل نظر ہے ۵۳
ثانیاً: اس شرط کے بارے میں تھانوی حضرات کی تحقیق ۵۵
تنبیہ ۵۶
۳......عملی سیاست علماء کا کام نہیں ۵۷
تجزیہ ۵۸
اولاً: جمہور علماء دیوبند کا موقف ۵۸
ثانیاً: تھانوی حضرات کا عمل ۶۱
۴......علماء کے لئے سیاسی تجربہ اور مناسبت لازم نہیں ۶۳
تجزیہ ۶۳
اولاً: انبیاء بنی اسرائیل سیاست کرتے تھے ۶۳
ثانیاً: اپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاست کے ماہر تھے ۶۴
حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استدلال کا مناقشہ ۶۷

اولاً: نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کے مطالبہ کی وجوہات	۶۸
ثانیاً: حضرت داود علیہ السلام کی بادشاہت اور قیادت	۶۸
ثالثاً: حضرت طالوت کا عالم اور بادشاہ ہونا	۶۹
۵.....علماء کا فن سیاست سے واقف نہ ہونا نقص نہیں	۶۹
تجزیہ	۷۰
اولاً: عالم کے لئے سیاست کا علم ضروری ہونے کے متعلق سلف کے اقوال	۷۰
۶.....تحریک ترک موالات کی مخالفت	۷۲
تجزیہ	۷۳
اولاً: عدم موالات کا فائدہ	۷۳
ثانیاً: عدم موالات کا فتوی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریر کردہ تھا	۷۳
۷.....تحریک خلافت کی مخالفت	۷۴
تجزیہ: تقریباً تمام اکابر علماء دیوبند تحریک خلافت کے حامی	۷۵
۸.....جیل جانے وغیرہ کو غیر شرعی امر سمجھنا	۷۶
تجزیہ	۷۶
اولاً: دینی فریضہ کے لئے جیل جانا ثواب ہے	۷۶
ثانیاً: بہت سے اسلاف اور اکابر کا جیل میں اسیری کی زندگی گزارنا	۷۷
۹.....جمہوری طرز کی حکومتوں میں عورت کی سربراہی کے جواز کا قائل ہونا	۷۷
جائزہ	۸۰
۱۰.....ہندوستان میں قیام قضاء کا قائل نہ ہونا	۸۳
تجزیہ	۸۳
۱۱.....تحریک کے ذریعے حکام سے مقابلہ نہ کرنا	۸۴
تجزیہ	۸۴

۱۲......تحریکات سے عملی طور پر الگ تھلگ ہونا ۸۵
تجزیہ ۸۵

......﴿باب دوم﴾......

تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریاں اوران کے اسباب ووجوہات

۱......سیاسی قیادت بڑا مسئلہ ۸۸
۲......سہولت پسندی ۹۰
۳......نازک طبعی ۹۳
۴......مزاج کے حصار میں ۹۵
۵......سیاسی مخالفین کے ساتھ سخت روِش اور برتاؤ ۹۹
۶......اپنوں سے بیگانگی ۱۰۵
۷......دارالعلوم دیوبند سے تھانوی حضرات کی علیٰحدگی ۱۰۷
۸......جمعیت علماء اسلام کے تسلسل سے انکار ۱۰۸
۹......اختلاف دراختلاف ۱۱۲
۱۰......مدارس کوسیاست سے دور رکھنا ۱۱۹
۱۱......طلبہ کے لئے سیاست کوشجرہ ممنوعہ قرار دینا ۱۲۴
پہلی بات دوران تعلیم تھانوی حضرات کی عملی سیاست ۱۲۴
دوسری بات دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم طلبہ کی عملی سیاست ۱۲۷
تیسری بات سیاسی جلسوں کے لئے مدارس میں تعطیلات کے واقعات ۱۲۹
۱۲......اپنے سیاسی مخالف علماء کے خلاف فتوے صادر کرنا ۱۳۲
۱۳...... پرویز مشرف کے ساتھ دوستی ۱۳۷
۱۴......عمران خان کی حمایت ۱۳۸
۱۵......سیاسی سوغات ۱۳۹

......﴿باب سوم﴾......

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی سیاسی جدوجہد

حضرت علامہ عثمانیؒ کی سیاست کے مختلف ادوار ۱۴۰

۱......حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی و رہنمائی میں علامہ عثمانیؒ کی سیاسی خدمات ۱۴۰

۲......جمعیۃ علمائے ہند میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا سیاسی کردار ۱۴۱

۳......جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت ۱۴۲

۴......تحریک پاکستان میں سیاسی کردار ۱۴۲

۵......وہ سیاسی مسائل جن میں حکیم الامت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اختلاف رہا ۱۴۳

......﴿باب چہارم﴾......

وفاق المدارس اور سیاست

۱......مدارس سے سیاست ختم کرنے کی پس پردہ قوتیں اور محرکات ۱۴۹

۲......ابتدا میں تھانوی حضرات کا وفاق المدارس سے بائیکاٹ ۱۵۲

۳......حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی شان جامعیت ۱۵۵

۴......وفاق المدارس اور حکومت معاہدہ اور اس پر اشکالات ۱۵۸

۵......وفاق المدارس کے ایک ذمہ دار کا غیر ذمہ دارانہ بیان ۱۶۴

۶......دار العلوم دیوبند اور سیاست ۱۶۹

۷......وفاق کے ابتدائی منتظمین ۱۷۳

انتساب

بندہ اس کاوش اور تالیف کا انتساب ان تین دینی سرچشموں اور محافظوں کے نام کرنا چاہتا ہے:

ا...... دین کے عظیم مرکز ''دارالعلوم دیوبند'' جس کی طرف نسبت بھی بندہ کے لئے بہت بڑا قابل فخر سرمایہ ہے۔

۲...... پاکستان کی عظیم درسگاہ ''جامعہ دارالعلوم کراچی'' جو بندہ کی مادر علمی ہے، اور اب تک اس کی عظیم لائبریری اور وہاں کے مصنفین کی تصنیفات سے علمی استفادہ کرنے میں طالب ہی ہے۔

۳......دارالعلوم دیوبند کی نمائندہ اور اسلام اور شریعت کی محافظ جماعت ''جمعیت علماء اسلام''، جس کے ساتھ بچپن سے بندہ کے سیاسی اور نظریاتی تعلق ہے۔

پیش لفظ

بندہ نے ابتدائی درجات سے لے کر درجہ تکمیل تک کی تعلیم صوبہ خیبر پختونخواہ (سابق صوبہ سرحد) کے مختلف مدارس اور جامعات میں حاصل کی ہے، اس ماحول میں جن اساتذہ کرام سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا وہ نہ صرف میدان تدریس کے رجال کار تھے، بلکہ میدان سیاست کے بھی شہسوار تھے، وہاں کے خطباء اور ائمہ کرام مساجد اور بیانات میں دین کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست کے بارے میں بلاخوف اور بلا لومۃ لائم اظہار فرماتے، وہاں کے مہتممین اور شیوخ الحدیث بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار کو جھنجوڑتے، کئی حضرات نے بڑے بڑے سرمایہ داروں کا میدان سیاست میں نہ صرف مقابلہ کیا، بلکہ ان کو پچھاڑ بھی دیا۔اسی طرح طلبہ اگر ایک طرف تعلیم میں مصروف اور مشغول نظر آتے تو دوسری طرف علم سیاست اور سیاست سے بھی وابستہ ہوتے نظر آتے، اللہ تعالیٰ نے بندہ کو بھی ''جمعیت طلباء اسلام'' سے وابستگی اور نظم سے تعلق کی سعادت نصیب فرمائی ہے، جس کی بنا پر اس کے مختلف عہدوں پر کام اور خدمت کر کے بندہ کی سیاست سے وابستگی اور تعلق پیدا ہوا۔

لیکن اس کے بعد جب ۱۹۹۳ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں درجہ سادسہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور پھر جامعہ دارالعلوم کراچی میں درجہ سابعہ اور دورہ حدیث پڑھنے کا شرف ملا، تو سیاسی اعتبار سے کراچی کا ماحول کو بالکل مختلف پایا، عام طور پر یہاں کے اساتذہ سیاست سے دور اور یکسو نظر آئے، یہاں کے خطباء اور ائمہ کے بیانات اور مواعظ میں سیاست پر گفتگو کو کان ترس نظر آئے، یہاں طلبہ کے لئے سیاست اور سیاسی وابستگی کو شجرہ ممنوعہ قرار دیئے ہوئے نظر آیا۔

اور جب دونوں علاقوں کی سیاسی تاریخ کا تقابل اور تجزیہ کیا تو وہاں کی تاریخ میں سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو صاحب (بانی پیپلز پارٹی) مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کے مقابلے میں، جناب عبدالقیوم خان صاحب (سابق صدر مسلم لیگ) مجاہد ملت مولانا غلام

غوث ہزارویؒ کے مقابلے میں، جناب نصر اللہ خان خٹک صاحب (سابق رہنما پیپلز پارٹی اور سابق وزیر اعلی صوبہ سرحد) شیخ الحدیث مولانا عبد الحقؒ اکوڑہ خٹک کے مقابلے میں، جناب خان عبد الولی خان صاحب (سابق صدر عوامی نیشنل پارٹی) محدث کبیر حضرت مولانا حسن جان شہیدؒ کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کے علاوہ بڑے بڑے نام والے ایک عام مولوی کے مقابلے میں شکست کھاتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کے برخلاف کراچی میں مسلّم شخصیت اور شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی انتخابات میں ایک گمنام اور عام آدمی کے مقابلے میں شکست کھاتے اور مقابلے کی دوڑ سے باہر اور دور نظر آتے ہیں جو کہ ایک بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے، اور ساتھ بڑے بڑے جامعات کے مہتممین اور نام والے انتخابی اور سیاسی مقابلے کے میدان میں اترنے سے پہلے ہی سرنڈر اور ہتھیار ڈالے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ایسے موقع اور حالات میں سیاست اور تاریخ کے طالب العلم کے لئے دو چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، ایک موجودہ حالات پر گہری سوچ اور غور وفکر کے ساتھ ان کا تجزیہ اور دوسری چیز ماضی اور اسلاف کے حالات کا مطالعہ، اس لئے بندہ نے اپنی بساط کے بقدر ''دار العلوم دیوبند'' کا کسی حد تک مطالعہ کیا، تو وہاں مجھے دار العلوم کے اندر سے نہ صرف سیاست کی وابستگی نظر آئی بلکہ سیاسی قیادت بھی نظر آئی۔ جب کراچی کے جامعات اور اصحاب علم کے موجودہ حالات کا بغور جائزہ لیا، تو یہاں پر سیاست سے دوری کے تین اسباب نظر آئے: ا۔ سب سے پہلا سبب مدرسے کے ماحول میں سیاست کی اہمیت نہ ہونا۔ بندہ نے اس سبب کو دور کرنے اور علماء اور مدارس کے ماحول کا سیاست سے تعلق اور وابستگی پیدا کرنے اور اہمیت دلانے کے لئے ''دار العلوم دیوبند اور سیاست'' کے نام سے کتاب لکھی، جس میں مدلل انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ دار العلوم دیوبند کے مہتممین، شیوخ الحدیث اور اساتذہ سے لے کر طلبہ نے بھی سیاست میں حصہ لیا ہے۔ ۲۔ سیاست سے دوری کا دوسرا سبب جو ہے وہ یہاں کے بہت سے علماء کرام کے ذہنوں میں جمہوریت اور

جمہوری جدوجہد کے بارے میں خدشات اور شبہات کا پایا جانا ہے، جن کی وجہ سے انہوں نے موجودہ جمہوری سیاست سے دوری اور لاتعلقی اختیار کی ہے۔ بندہ نے ان کے شبہات اور خدشات کو دور کرنے کے لئے ''اسلام اور جمہوریت'' کے نام سے کتاب تصنیف کی، جس میں دلائل اور حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے اکابرین دیوبند نے اس جمہوری مذہبی جدوجہد کو جہاد سمجھتے ہوئے اپنایا ہے۔۳۔۔ مشائخ کراچی کی سیاست سے دوری کا تیسرا بڑا سبب تھانوی مزاج کے اثرات اور تھانویت کا غلبہ ہے، اور وہ اس طور پر کہ بہت سے حضرات تو تھانویت ہی کو اپنا مشرب اور مسلک اور مزاج قرار دے رہے ہیں، اور دوسرے بہت سے حضرات اگرچہ کھلے الفاظ میں تھانویت کا دعویدار تو نہیں ہیں، لیکن اس فکر اور مزاج سے متأثر ضرور ہیں، اس سبب کے ازالے کے لئے بندہ نے یہ کتاب بنام ''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے سیاسی تفردات اور تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریاں'' تالیف کی، جس میں مدلل انداز سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ سیاست کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے برخلاف حکیم الامت حضرت تھانویؒ سیاسی تفردات رکھتے تھے۔ تاکہ جمہور علماء دیوبند کے دامن کو پکڑ کر تفردات سے اجتناب اور احتراز کیا جائے، اور اپنے مرکز دارالعلوم دیوبند کے مزاج اور فکر کو اپنا قبلہ عمل بنایا جائے۔

یہ کتاب یقیناً بہت سے حضرات کے لئے باعث تعجب اور باعث حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کراچی کے ایک فاضل نے کیسے ایک ایسی کتاب تصنیف کی جس میں اس نے اپنے مشائخ تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریوں کا تجزیہ کیا، لیکن بندہ یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس کو مدنی مزاج والے اور تھانوی مزاج والے دونوں قسم کے حضرات اساتذہ سے تلمذ کا شرف حاصل رہا ہے اور پھر دونوں کے مزاج کو قریب سے دیکھنے کے ساتھ بندہ نے ان کے تاریخی اور سیاسی مطالعہ کا بھی موقع پا چکا ہے، اور دونوں کے مزاج کو قریب سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد سب سے پہلے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ تھانوی مزاج کی بنسبت مدنی مزاج اپنے مرکز دارالعلوم دیوبند کے زیادہ قریب ہے، اس لئے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد

مدنیؒ آخر عمر تک دارالعلوم سے وابستہ نظر آتے ہیں اور آج تک دارالعلوم دیوبند کا انتظام وغیرہ انہیں کے متعلقین کے ہاتھ میں ہوتے ہوئے نظر آتا ہے، جبکہ اس کے برخلاف حضرت مدنیؒ سے اختلاف کی بنا پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی سے اوران کے متعلقین جیسے مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ وغیرہ حضرات دارالعلوم دیوبند کے درس وتدریس سے سے مستعفی ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

دونوں قسم مزاج کے قریب سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کے بعد بندہ اس نتیجہ پر بھی پہنچا ہے کہ ابتدا سے لے کر آج تک تھانوی حضرات کی طرف سے مدنی حضرات خصوصاً جمعیت علماء اسلام کے اکابرین اور قائدین پر سیاسی اعتبار سے مختلف اعتراضات کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف فتوے بھی صادر ہوئے جن کی تفصیل اس کتاب میں آگے آرہی ہے، اور مدنی حضرات نے بڑے خندہ پیشانی اور تحمل سے ان کے فتووں کو برداشت کیا، کہیں صفائی کی ضرورت محسوس کی تو اپنی صفائی کرتے ہوئے اٹھائے گئے الزامات سے برأت کا اعلان کیا، ورنہ عام طور پر ان فتووں اور الزامات کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنے کام سے کام رکھا۔

پھر تھانوی حضرات بڑی ہوشیاری اور مؤدبانہ الفاظ میں ایسی چوٹ اور وار کرتے ہیں جو بظاہر وہ رد اور وار نہیں لگتا ہے، لیکن گہری نظر سے دیکھنے کے بعد حقیقت میں وہ بڑی سخت چوٹ اور تنقید معلوم ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات اور مضمون کوئی اور چل رہا ہوتا ہے، تو ضمن ضمن میں بھی ان کی طرف سے مدنی حضرات پر ضرب کاری اور وار کی کوشش بھی نظر آئی۔

اس کی ایک مثال یہاں پر پیش کی جاتی ہے، جس سے مذکورہ بات کی تصدیق کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ جب شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، تو ان کے انتقال پر استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ایک مضمون ماہنامہ وفاق المدارس میں شائع ہوا جس میں انہوں دارالعلوم کراچی میں حضرت شیخ کے تقرر اور خدمات کا بھی ذکر فرمایا، لیکن ساتھ اس کے ضمن میں محدث کبیر

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ پر ایک چوٹ اور وار بھی کیا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام صاحب فرماتے ہیں: میں نے اپنے استاذ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سب سے پہلے ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء میں (جب کہ میری عمر چودہ سال تھی) اپنے بہنوئی اور سابق ناظم دار العلوم حضرت مولانا نور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اُس وقت سنا جب ہمارا دار العلوم نانک واڑے سے شرافی گوٹھ کے قریب نئی عمارت میں منتقل ہونے جا رہا تھا۔ اتفاق سے اُس سال حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد نیوٹاؤن میں ''مدرسہ عربیہ اسلامیہ'' (حال جامع العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) کے نام سے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، اور ہمارے بعض جلیل القدر اساتذہ کرام مثلاً حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، چوں کہ شہر سے باہر دار العلوم کی نئی عمارت منتقل ہونے میں مشکلات محسوس فرماتے تھے، اس لئے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر وہ نیوٹاؤن جانے والے تھے، اور ان کے جانے کی وجہ سے دار العلوم کے درجہ علیا کے اساتذہ میں بڑا خلا پیدا ہونے والا تھا، والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج گرامی ہمیشہ سے یہ تھا کہ استاذ کو کسی مدرسہ میں خدمت انجام دینے کے دوران وہاں سے چھوڑ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دینے سے پرہیز فرماتے تھے، اور یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: ''ایک مدرسہ کو اُجاڑ کر دوسرے مدرسہ کو آباد کرنا مناسب نہیں ہے''۔ ❶

ہمارے کمزور فہم کے مطابق حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا نام لے کر ان پر مذکورہ چوٹ کرنا بے محل ہے یا نہیں؟ یہ الگ سوال ہے، لیکن حقیقت کے طور پر ہمارے سامنے دار العلوم دیوبند اور تھانہ بھون کی بھی ایسی مثالیں ہیں جن میں دوسری جگہوں اور اداروں میں خدمت انجام دینے والے اساتذہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت اور پیش کش کی گئی ہے، لیکن یہاں پر ان کی نہیں بلکہ اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے دار العلوم کراچی کی ایک مثال پیش

❶ ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، ص ۹، شمارہ نمبر ۶، جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ/ مارچ ۲۰۱۷ء

کرنے پر اکتفا کرنا کافی سمجھیں گے۔ وہ یہ کہ حضرت مولانا مفتی وجیہ صاحبؒ جب دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو لہ یار سندھ میں استاذ تھے، تو ان کو دار العلوم کراچی آنے کی دعوت دی گئی تھی لیکن انہوں نے معذرت کی۔ چنانچہ اس بارے میں شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ اپنی ''سرگزشت'' میں فرماتے ہیں: کافی عرصہ کے بعد مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انتقال ہوگیا اور مولانا مفتی محمد وجیہ ہی دار العلوم (ٹنڈو لہ یار) کا مدار بن کر رہ گئے، درمیان میں ان کو دار العلوم کراچی سے بھی پیش کش ہوئی اور جامعہ اشرفیہ لاہور سے بھی، لیکن انہوں نے معذرت کی اور دار العلوم الاسلامیہ کو نہیں چھوڑا۔ ❶

اور تھانوی حضرات کا مدنی حضرات کے خلاف جو جرح اور وار ہوتا ہے وہ ایسا چُھپا وار ہوتا ہے کہ ہر ایک کو اس کی طرف توجہ اور اس کی خبر نہیں ہوتی ہے، اور اس کے چھپ جانے اور پوشیدہ ہونے کے تین اسباب ہیں: ۱۔۔ ایک تحقیق کا نام دینا کہ چونکہ تھانوی حضرات محقق ہیں، ان کی ہر بات تحقیق پر بنا ہوتی ہے۔ اس لئے ان کی سیاسی بات کیوں نہ ہو اس کو رد کرنے کی ہمت ہر ایک کو نہیں ہوتی ہے۔ ۲۔۔ دوسرا سبب تھانوی حضرات کے بارے میں یہ تأثر عام ہونا کہ دوسروں کے مقابل اور بنسبت وہ زیادہ معتدل ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اعتدال کے خلاف بات کرنا کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا ہے۔ ۳۔۔ تیسرا سبب ہر بات کو اپنے بزرگوں کے مزاج کی طرف منسوب کرنا۔ ظاہر بات ہے کہ جب کسی بات میں بزرگوں کا حوالہ آجاتا ہے، تو پھر اس بات کو رد کرنا اپنے بزرگوں سے بغاوت کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

ان اسباب کی بنا پر میرے علم کے مطابق ابتدا سے لے کر آج تک مدنی حضرات کی طرف سے تھانوی حضرات کے اعتراضات اور اختلافات کے جوابات تحریری شکل میں موجود نہیں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ وقتی طور پر اپنے دفاع اور برأت کا اظہار کو کافی سمجھا

❶ تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ، مرتب مفتی صابر محمود، ص ۱۲۱، ادارۃ الرشید علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی، ط ۲۰۱۷ء

گیا ہے۔اوراس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کے زمانہ میں بہت کم ایسے حضرات ہونگے جن کوصحیح طور پر تھانوی حضرات کے سیاسی نظریات کا علم اور تحقیق ہو۔اکثر حضرات ان پر اندھا اعتماد کرتے ہوئے ان کے نظریے اور بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

بندہ چونکہ دارالعلوم کراچی میں رہا اس لئے ''صاحب البیت ادریٰ بما فیہ'' کے قاعدے کی بنا پر اس کو کسی حد تک تھانویت کے مطالعے اور مزاج سے واقفیت اور تحقیق کا موقع میسر آیا،جس کی بنا پر اس نے ان مذکورہ تین اسباب سے پردہ ہٹا کر مدلل انداز میں یہ آشکارا کیا کہ سیاست کے بارے میں ان کی باتیں تحقیق کے بجائے محل نظر ہیں،اوران کی تاریخ میں تھانہ بھون سے جمعیت علماء ہند کے خلاف اور دارالعلوم کراچی سے جمعیت علماء اسلام کے خلاف فتووں کا صادر ہونا اعتدال پر سوالیہ نشان ہے۔اور ساتھ بندہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ بزرگوں کے مزاج سے ان کی مراد عموماً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے متعلقین کا مزاج ہوتا ہے،اور پھر اس مزاج کو بہر حال وہ قبول کرتے ہیں،اگرچہ وہ مزاج جمہور علماء دیوبند اور خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اساتذہ اور مشائخ اوران کے معاصر علماء کے مزاج کے خلاف اور تفرد کیوں نہ ہو۔

اور باوجود اس کے کہ تھانوی حضرات کی طرف سے مدنی مزاج والوں کے خلاف فتوے صادر ہوئے،لیکن ہمارے علم میں اس کے برخلاف ایک بھی ایسی مثال نہیں ہے کہ مدنی حضرات کی طرف سے کسی مستند شخصیت یا ادارے نے ان کے خلاف اس طرح کا کوئی فتویٰ صادر کیا ہو۔

اسی طرح پاکستان بننے سے پہلے تقسیم ہند کے مسئلے میں تھانوی حضرات کے اتحادی مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ اور مدنی حضرات کے اتحادی ہندوؤں کی جماعت کانگریس تھی،لیکن اعتدال اور بے اعتدالی کے اثرات کو بھی دیکھیں تو ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے کہ ہندوؤں کی اکثریت کے باوجود کانگریس کے افراد نے تھانوی حضرات کے کسی بڑے عالم کی توہین اور تحقیر کی ہو،جبکہ اس کے برخلاف ایسی مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت کے باجود مسلم لیگ کے ارکان نے حضرت مدنیؒ اور دوسرے علماء کی توہین کی ہے۔

اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان سب کے باوجود یہ تأثر عام ہے کہ مدنی حضرات سخت اور بے اعتدال ہیں اور ان کے مقابل میں تھانوی حضرات نرم مزاج اور معتدل ہیں، خود بہت سے مدنی حضرات بھی اس غلط فہمی کا شکار ہیں، کیونکہ تھانوی حضرات نے اپنے بارے میں وصف اعتدال کے تأثر کو عام کیا ہے۔

وہی قاتل وہی خنجر وہی منصف
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

اس کتاب پڑھنے سے ان شاء اللہ اس تأثر اور غلط فہمی کا ازالہ ہوگا۔

اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ میرے علم کے مطابق مدنی حضرات کے خلاف فتوے تو صادر کے گئے، لیکن مدنی حضرات کی طرف سے جواب میں نہ فتوے صادر کے گئے اور نہ مدمقابل کے نظریات کی کمزوریوں کا تحریری طور پر جائزہ لیا گیا۔ میرے علم کے مطابق اس میدان میں یہ پہلی کتاب ہے جو سب کی طرف سے بطور فرض کفایہ تالیف کی گئی، جس میں دلائل اور تاریخ کی روشنی میں تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریوں کو یکجا کیا گیا ہے، اور پھر اپنے زعم کے مطابق ان کا اچھی طرح جائزہ لیا گیا ہے۔

بندہ کا اس تصنیف سے مقصود تھانوی حضرات کی تنقیص یا عقیدت میں کمی کا اظہار ہرگز نہیں ہے، وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ علمی شان، تقویٰ وتصوف، دینی خدمات اور تصنیفی میدان میں وہ بڑے اعلیٰ اور اونچے مرتبے پر فائز ہیں، ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہونا بندہ اپنے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی تصور کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان سے بلا واسطہ اور اب ان کی تصنیفات کے توسط سے بندہ کو بہت کچھ حاصل کرنے کا موقع میسر ہوا ہے، تاہم جب سیاسی عمل، موقف اور طریقہ کار میں ان کے مقابل میں جمہور علماء دیوبند ہوں، اور ساتھ جمہور علماء کے دلائل بھی مضبوط ہوں، تو پھر میں اس بات کو لازم سمجھتا ہوں کہ جمہور علماء کے موقف کو اپنایا جائے اور اس بارے میں اگر کوئی غلط فہمی ہو تو دلائل سے اس کو دور کیا جائے۔

بندہ کا اس موضوع پر کتاب لکھنے کا بہت پہلے سے ارادہ تھا، لیکن اتنے بڑے اکابر خصوصاً

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سیاسی نظریات کے جائزہ لینے پر قلم اُٹھانے کی ہمت نہیں ہورہی تھی، اور کافی عرصہ سے بڑی کشمکش اور مخمصہ میں تھا، جبکہ دوسری طرف کتاب لکھنے کے جو اسباب اور دواعی تھے ان میں اضافہ ہورہا تھا اور تقاضا شدید ہورہا تھا، یہاں تک کہ مطالعہ کے دوران چند ایسے اسباق ملے جن کی وجہ سے کتاب لکھنے اور بسم اللہ کرنے کا حوصلہ ملا۔ سب سے پہلے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا وہ سبق ملا جس میں خود انہوں نے چھوٹوں کو بھی حدود کے دائرہ کار میں اختلاف کرنے کی اجازت فرمائی ہے، دوسرے یہ کہ تھانوی حضرات خصوصاً میرے محترم عظیم استاذ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا کئی مسائل میں اپنے مشایخ اور اساتذہ سے اختلاف رائے رکھنا اور پھر مثبت اور مدلل انداز میں ان کی رائے کا تنقیدی طور پر تجزیہ کرنا، جس کی تفصیل مقدمہ میں آرہی ہے۔ اور تیسرے یہ کہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول: تنقید کا ایک دائرے میں حق اور اسکی گنجائش ہے، البتہ اللہ کے نیک اور مخلص بندے کی شان میں گستاخی اور تنقیص سے کبھی بھلا نہیں ہوسکتا، بلکہ کبھی تو سوئے خاتمہ کا خوف ہوتا ہے۔ ❶

الحمد للہ بندہ بڑے وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ ہمارے مقصود نہ اکابر اور مشایخ کی تنقیص ہے اور نہ گستاخی، بلکہ اپنے زعم کے مطابق حق اور راجح اقوال کا اظہار اور تحقیق مقصود ہے۔

بندہ کا بچپن سے جمعیت طلباء اسلام کے ساتھ تعلق اور وابستگی رہی، اور سیاست کا کچھ مطالعہ بھی رہا ہے، جس کی وجہ سے جب دارالعلوم کراچی میں پڑھنے کا موقع ملا تو یہاں کے مشایخ اور اساتذہ کرام کی علمی تحقیق، تصوف اور تدریسی و تصنیفی خدمات کا سکّہ تو ذہن میں یقیناً بیٹھ گیا، لیکن سیاست کے بارے میں ان کے سیاسی تجزیوں اور تنقیدات سے تأثر کو ہرگز قبول نہیں کیا، ایک طرف درسگاہ میں جب وہ علمی تحقیق کی موتیاں بکھیرتے تو دل میں واہ واہ کی صدائیں ہوتیں، لیکن اسی درسگاہ میں جب وہ سیاست پر تجزیہ کرتے تو ہمارے جیسے نظریاتی طلباء کو ان کے تجزیوں کی کمزوریاں محسوس ہوتیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خود ان کے بقول: عملی سیاست سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ ❷

❶ مجالس علی میاںؒ، فیصل احمد ندوی، ص ۱۲۴، مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

جبکہ ہم کو دارالعلوم کراچی میں پڑھنے سے پہلے ایسے اساتذہ کرام کا شرف تلمذ حاصل رہا جو جمعیت علماء اسلام کے رہنماء ہونے کے ساتھ وہ عملی اور پارلیمانی سیاست سے وابستہ رہے ہیں، اس بنا پر سیاست کے بارے میں دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کرام کا تأثر قبول نہیں کیا، بلکہ جمعیت علماء اسلام اوران کے قائدین سے عقیدت اور محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

؎ نہ ہم نے منزل بدلی　　نہ ہم نے کارواں بدلا
نہ ہم باز آئے　　نہ ہم نے رہنما بدلا

بہرحال ہم نے اس کتاب میں تھانوی حضرات کے سیاسی نظریات کا جائزہ لیا ہے، اور مشائخ، اساتذہ کرام اور دوسرے قاری حضرات کی خدمت میں بڑے ادب کے ساتھ التماس اور گزارش ہے کہ اس کو تا آخر غور سے پڑھیں، اور پھر اپنے طور پر اس کا تجزیہ کریں، اور کم از کم ”**خذ ماصفا و دع ما کدر**“ پر تو عمل کریں۔ اور ساتھ یہ کہ اس کتاب کو تحقیق اور دائرہ حق میں تنقید ضرور سمجھیں، لیکن اس کو کسی کی تنقیص یا گستاخی ہرگز نہ سمجھیں۔

بندہ نے حتی الوسع یہ کوشش کی ہے کہ اپنے موضوع اور مدعیٰ کو مدلل انداز میں پیش کرے، اور کسی کی گستاخی، توہین اور تنقیص شان نہ ہو اور اکابر کی عظمت شان میں کوئی آنچ نہ آئے، لیکن چونکہ ایک تو بندہ صاحب لسان نہیں ہے کہ اپنے مدعیٰ کو اس طرح مؤدبانہ انداز پیش کر سکے جس سے کسی کی تنقیص کا شائبہ پیدا نہ ہو۔ اور دوسرا یہ کہ کسی کے نظریات کی تنقید اور اقوال کے تجزیہ اور جرح کرنا ایک ایسا موضوع ہے کہ بھرپور کوشش کے باوجود زبان اور قلم کچھ تیز اور حد سے تجاوز کر کے جاتا ہے، اور ساتھ یہ کہ بعض وقت مفہوم اور مطلوب سمجھنے میں مؤدبانہ الفاظ اور کنایات کے بجائے صریحی اور سخت الفاظ کارآمد ہوتے ہیں، اس لئے جہاں بھی اس طرح کے الفاظ اور عبارات سامنے آجائے تو میں پیشگی معذرت کرتے ہوئے یہ التماس کرتا ہوں کہ قارئین حضرات الفاظ اور عبارات کے بجائے مفہوم اور مطلوب پر نظر رکھیں۔

مجھے استاذ العلماء حضرت مولانا محمد جالندھری صاحبؒ (خلیفہ مُجاز حضرت حکیم الامت تھانوی صاحبؒ) کا یہ طریقہ کار بڑا اچھا لگا کہ وہ اپنے حلقہ میں ”ملفوظات حکیم الامت“ کی

طرح حضرت مدنیؒ کی "نقش حیات" بھی پڑھتے پڑھاتے رہے۔ ❶

جس سے یقیناً قارئین اور سامعین کو علماء دیوبند کی اصلاحی خدمات کے ساتھ مجاہدانہ اور سیاسی خدمات سے بھی واقفیت اور آگاہی ہو جاتی ہے۔

بندہ کو مطالعہ کے دوران علماء دیوبند کی تاریخی، علمی، اصلاحی اور سیاسی خدمات وغیرہ کے موضوع پر خصوصیت کے ساتھ چند کتب کا مطالعہ بڑا مفید معلوم ہوا، طلبہ کے فائدہ کے لئے اپنی پسندیدہ کتابوں کے نام تحریر کرنا چاہتا ہوں، تاکہ کسی وقت ان کے مطالعہ کا موقع ملے تو ان شاءاللہ بڑا مفید ہوگا۔ وہ کتابیں یہ ہیں: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی "ملفوظات حکیم الامت"، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ کی "نقش حیات"، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی "آپ بیتی"، حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کی "علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے"، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی "علماء دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج"، حضرت مولانا سید محبوب رضوی صاحبؒ کی "تاریخ دار العلوم دیوبند"، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید صاحبؒ کی "اختلاف امت اور صراط مستقیم"، حضرت مولانا محمد امین صفدر صاحبؒ کی "تجلیات صفدر"، استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی "اکابر دیوبند کیا تھے؟"، حضرت مولانا محمد زاہد الراشدی صاحب کی "عصر حاضر میں اجتہاد چند فکری و عملی مباحث" اور حضرت مولانا محمد نعمان صاحب کی "علماءِ سلف کا شوقِ علم"۔

اللهم انفعنا بما علمتنا وعلمنا ما ينفعنا. آمين.

طالب دعا: محمد اسحاق باجوڑی غفرلہ الباری

خادم طلبہ جامعہ انوار العلوم مہران ٹاؤن کورنگی کراچی

رابطہ نمبر: ۰۳۰۰:۲۶۴۷۹۵

۰۳۴۳:۲۱۰۱۳۰۷

جمعۃ المبارک ۸ ربیع الثانی ۱۴۴۱ھ/ ۶ دسمبر ۲۰۱۹ء

❶ خیر الفتاوی، مرتب مولانا مفتی محمد انور، ما یتعلق بالتاریخ، ج ۱ ص ۴۰۵، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ط ن

مقدمہ

۱......تفردات کو قبول نہ کرنا

بڑے بڑے محققین کے بھی تفردات اور اقوال شاذہ ہوتے ہیں، لیکن علماء کرام نے تفردات کے بارے میں بڑا سخت موقف اختیار کیا ہے، اور یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو اس کے تفردات سے حتی الوسع اجتناب کیا جائے، حتی کہ بعض علماء نے اس حد تک سخت موقف اختیار کیا ہے، کہ تفردات پر عمل کرنے کی وجہ سے آدمی اسلام سے خارج ہوسکتا ہے یا گمراہی میں پڑسکتا ہے۔

۱......امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے: کہ جو شخص علماء کے اقوال نادرہ وشاذہ پر عمل کرے وہ اسلام سے خارج ہوگا۔

سمعت الأوزاعی یقول: من اخذ بنوادر العلماء خرج من الاسلام. ❶

۲......محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں: کہ جو شخص علماء کے شاذ اقوال کا اتباع کرے وہ گمراہ ہوگا، اور شاذ عمل اور قول کو لینا اور اختیار کرنا بڑے شر اختیار کرنے کے مترادف ہے۔

وصدق من قال: من تتبع شواذ العلماء ضل، ومن حمل الشاذ حمل شرا کبیرا. ❷

۳۔۔مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: فقہاء کرام نے محقق ابن ہمامؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا، تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے۔ ❸

❶ السنن الکبریٰ للبیہقی، احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، باب ما تجوز بہ شہادۃ أہل الأہواء، ج ۱۰ ص ۳۵۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۲۰۰۳ء ❷ معارف السنن، محمد یوسف البنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ، باب ما جاء فی الصلاۃ فی النعال، ج ۴ ص ۱۹، مجلس الدعوۃ والتحقیق الاسلامی کراتشی، ط ن

❸ مجالس مفتی اعظم، مفتی عبدالروف سکھروی، ص ۶۲۴، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء

۴......علامہ انور شاہ کشمیریؒ امام ابن ہمامؒ کے اس قول ''کہ تراویح میں سے آٹھ رکعات سنت اور بارہ مستحب ہیں'' کو تفرد قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کسی نے اس طرح کا قول نہیں کیا ہے۔

وقال ابن الهمام: ان ثمانيه ركعات سنة مؤكدة وثنتي عشرة ركعة مستحبة، وما قال بهذا احد. ❶

۵......شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں فرماتے ہیں: شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ بڑے عالم گزرے ہیں، البتہ انہوں نے بعض مسائل میں جمہور فقہاء و محدثین اور علمائے اُمت سے اختلاف کیا ہے۔ جمہور اُمت نے ان کے تفردات کو قابل عمل نہیں سمجھا، اور اس بنا پر بعض حضرات نے ان کی تردید میں کتابیں بھی لکھی ہیں، ان کے مفصل حالات علامہ ابوزہرہ کی کتاب ''ابن تیمیہ'' میں مل سکتے ہیں، جس کا اُردو ترجمہ شائع ہو گیا ہے۔ ❷

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ اگر سیاست کے متعلق حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے کچھ نظریات کو دلائل کی روشنی میں تفردات ثابت کیا جائے تو پھر ان کے تفردات قبول کرنا قابل غور ہے۔

۲......حدود میں رہتے ہوئے اپنے مشایخ سے اختلاف کرنا مذموم نہیں

تاریخ کے مطالعہ کرنے سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ ابتدا ہی سے خصوصی طور پر دو میدان ایسے ہیں کہ جن میں اہل حق کے درمیان بھی اختلافات چلے آرہے ہیں، ایک فقہی مسائل کا میدان ہے اور دوسرا سیاسی میدان۔ ان میں ہمیں بہت سے مثالیں ایسی بھی نظر آتی ہیں کہ شاگرد کا اپنے استاذ سے، پیر کا اپنے مرشد سے اور چھوٹوں کا اپنے بڑوں سے

❶ العرف الشذی، العلامۃ انورشاہ الکشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ، باب ماجاء فی قیام شہر رمضان، ج ۱ ص ۱۶۶، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن ❷ فتاوی عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، کتاب السیر والمناقب، ج ۱ ص ۳۰۹، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۰۷ء

اختلاف رہا ہے۔ حدود کے اندر بڑوں سے اختلاف کرنا کوئی عیب نہیں، اگر کوئی عالم کتنا ہی بڑا ہو لیکن پھر بھی مسائل میں ان سے اختلاف ہوسکتا ہے اس کی عظمت شان اور احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے نظریات کا تجزیہ کرنا کوئی عیب نہیں، اور اس طرح کا اختلاف نہ قابل نکیر ہے اور نہ قابل مواخذہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس بارے میں بڑی اچھی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: بعض مسائل تو قطعی ہوتے ہیں ان میں اختلاف کی کچھ گنجائش نہیں ہوتی، بعضے اجتہادی وظنی ہوتے ہیں ان میں سلف سے خلف تک، شاگرد نے استاد کے ساتھ، مرید نے پیر کے ساتھ، قلیل جماعت نے کثیر جماعت کے ساتھ، واحد نے متعدد کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور علمائے امت نے اس پر نکیر نہیں کیا ہے اور نہ ایک دوسرے کو ضال اور عاصی کہا، نہ کسی نے دوسرے کو اپنے ساتھ متفق ہونے پر مجبور کیا، نہ اختلاف کے ہوتے ہوئے باہم بغض وعداوت ہوا۔ ❶

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہ بھی فرمایا ہے: کہ ظنی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہے گو کوئی چھوٹے درجے کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم کے ساتھ اختلاف کرے، محض اس اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر طعن ولعن یا سب وشتم یا لعنت وملامت یا تضلیل وتجہیل یا تفسیق وتکفیر یا جبر وتشدد وظلم وایذاء بالقول یا بالعمل یا کسی بزرگ کا اُس کو مخالف و بے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں۔ ❷

اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس بارے میں جو اصول فرمایا ہے وہ حکمت سے پُر ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اُن کے یہ اصول ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں: اختلاف کا مضائقہ نہیں، مگر بدگمانی اور بدزبانی سے پرہیز کیا جائے۔ ❸

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج۵ص۲۳۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص۲۳۲، ۲۳۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء ❸ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، سوشلزم اور سرمایہ داری، ج۵ص۱۳۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ فرماتے ہیں: تنقید کا ایک دائرے میں حق اور اس کی گنجائش ہے، البتہ اللہ کے نیک اور مخلص بندے کی شان میں گستاخی اور تنقیص سے کبھی بھلا نہیں ہوسکتا بلکہ کبھی تو سوئے خاتمہ کا خوف ہوتا ہے۔ ❶

اور ساتھ یہ بھی اصول ہے کہ اختلاف مسائل میں کسی کا جواب اگر دینا ہو تو دلائل سے دینا چاہیے، اس لئے کسی مسئلے میں علماء کا آپس میں اختلاف ہوسکتا ہے، اور یہ معاصرین میں بھی ہوسکتا ہے اور بڑے اور چھوٹوں میں بھی ہوسکتا ہے، اور میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے ہمیں یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ تبلیغ کے مسائل اور کام میں تو اختلاف نظر نہیں آتا ہے، لیکن دو میدانوں میں ابتدا سے اہل حق کا آپس میں اختلاف ہر دور میں نظر آتا ہے، ایک فقہی میدان اور مسائل میں اور دوسرا میدان سیاست میں۔ لیکن اختلاف کرنا اور اس کا جواب دینا دونوں کی بنیاد دلائل پر ہونی چاہیے، چنانچہ اس بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: علماء سے میری اپیل ہے کہ وہ اختلاف میں دلائل کا جواب دلائل سے دیں، طعنہ زنی، الزام تراشی اور شخصیات کے خلاف کیچڑ اچھالنے سے پرہیز کریں۔ ❷

بندہ نے جب استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی طرف منسوب جامع ترمذی کی شرح ''درس ترمذی'' کی ۲۸۶ غلطیوں کی نشاندہی مدلل انداز میں کی، اور جس کو ایک تصنیف ''**تنبیه المحدث والطالب علی ما وقع فی درس ترمذی الخطایا من المرتب والکاتب**'' کے نام سے شائع کیا، اور ملک بھر کے کئی محققین اور محدثین حضرات کی طرف سے اس پر حوصلہ افزا پیغامات موصول ہوئے، تو دوسری طرف کتاب پڑھے بغیر دارالعلوم کراچی کے کچھ فضلاء اور متخصصین حضرات کی طرف سے مختلف طعنوں کی بارش ہوئی، اور موبائل ویب سائٹ میں متخصصین کے گروپ میں اس پر ''رجما

❶ مجالس علی میاںؒ، فیصل احمد ندوی، ص۱۲۴، مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، سوشلزم اور سرمایہ داری، ج۵ ص۱۳۰، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط۲۰۱۳ء

بـالغیـب ‘‘ کے طور پر گستاخ، بے ادب، اشاعتی ہونے، اور دارالعلوم کراچی کے فاضل نہ ہونے وغیرہ وغیرہ کے نہ صرف تبصرے کے گئے، بلکہ بعض حضرات نے سب وشتم کی حدود بھی پار کردیئے۔ بندہ نے اس کے جواب میں اتنا لکھ کر اس گروپ میں شیئر کردیا کہ میں ان باتوں کا اسی لہجہ میں جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، اور اس طرح کی باتیں اور تبصرے دارالعلوم کراچی کے اصحاب الفضل والتحقیق مشایخ کی زیرنگرانی میں تین چار سال تخصص میں رہنے والے حضرات کی صرف شایان شان نہیں، بلکہ ان اکابر کی محنت کو ٹھیس پہنچانے کے مترادف ہے، اور ساتھ ان کی خدمت میں یہ گزارش کی گئی کہ پہلے کتاب کو اچھی طرح پڑھ لیں اور اس کے بعد تبصرے کریں۔ الحمدللہ اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ تبصرے ایک دم رُک گئے اور بعض حضرات نے پڑھنے کے لئے مذکورہ کتاب بھی منگوائی۔

۳......سلف کا اپنے مشایخ اور اساتذہ سے اختلاف کے واقعات

ا......امام ابوحنیفہؒ جو بہت بڑے امام اور محدث فقیہ تھے، انہوں نے خود اپنے تلامذہ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ اگر میرے خلاف آپ کو قوی دلیل مل جائے تو پھر اسی کے مطابق عمل کریں، یعنی میرے سے مخالفت کا خیال نہ رکھیں۔ اور علامہ شامیؒ کے بقول مسائل کی ایک تہائی میں تو صاحبینؒ نے اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے۔

قال لأصحابه: ان توجه لكم دليل فقولوا به. اى: ظهر لكم فى مسألة وجه الدليل على غير ما أقول ط. قوله: (فقولوا به) وكان كذلك، فحصل المخالفة من الصاحبين فى نحو ثلث المذهب. ❶

۲......علامہ تاج الدین سبکیؒ علامہ ذہبیؒ کے خاص شاگرد ہیں، لیکن بہت سے مقامات میں وہ نہ صرف اپنے شیخ اور استاذ سے اختلاف کرتے ہیں، بلکہ بڑے زوردار الفاظ میں ان کی تردید بھی فرماتے ہیں۔ چنانچہ علامہ سبکیؒ امام ابوالحسن اشعریؒ کے حالات میں امام ذہبیؒ کی

❶ مقدمۃ الشامی، ابن عابدین محمد بن أمین بن عمر الدمشقی المتوفی ۱۲۵۲ھ، ص۶۶، قدیمی کتب خانہ کراچی، ط ن

ایک ایسی عبارت نقل فرماتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبیؒ امام اشعریؒ کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ان کی عبارت نقل کرنے کے بعد علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی مرتبہ اس کا اقرار کیا ہے کہ امام ذہبی میرے استاذ اور شیخ ہیں، اور ان سے میں نے حدیث پڑھ کر فاضل ہونے کا شرف حاصل کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے استاذ علامہ ذہبیؒ کو بیچارہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اتباع حق ہی کا ہونا چاہئے، اس لئے ان کی عبارت مذکورہ پر نہ صرف تعجب ہے، بلکہ افسوس ہی افسوس ہے۔

فعند ذلک تقتضی العجب من هذا الذهبی و تعلم الی ماذا یشیر المسکین فویحه ثم ویحه. وأنا قد قلت غیر مرة أن الذهبی استاذی و به تخرجت فی علم الحدیث، الا أن الحق أحق أن یتبع. ❶

۳...... علامہ سخاویؒ حافظ ابن حجرؒ کے مایہ ناز شاگرد ہیں، انہوں نے اپنے استاذ کے تذکرہ میں ایک ضخیم کتاب ''الجواہر والدرر فی ترجمۃ شیخ الاسلام ابن حجر'' بھی تصنیف کی ہے، تاہم ان کو احناف کے خلاف اپنے استاذ کے طرز عمل پر جابجا تنبیہ کرنے پڑی، کہ انہوں اپنی عادت کے مطابق بہت بڑے حنفی علماء اور شیوخ کو نظرانداز بھی کیا ہے، اور بعضوں پر بے جا تنقید کی ہے، چنانچہ شیخ حسین بن علی حنفی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں ''**اهمله شیخنا علی عادته فی الحنفیة مع تقدمه فی العلم**'' اسی طرح علامہ جمال الدین عبداللہ بن محمد حسینی کے تذکرہ کے تحت لکھا ہے ''**ثم نکت علیه علی عادته فی تغلیب التنکیت علی الحنفیة**''۔ ❷

۴...... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں: کہ میرے والد حضرت مولانا محمد یحیی صاحبؒ اور میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے درمیان متعدد مسائل میں اختلاف تھا، ان میں ایک مسئلہ قربانی کا تھا۔ کہ قربانی کے جانور

❶ طبقات الشافعیۃ الکبری، تاج الدین عبدالوہاب السبکی المتوفی ۷۷۱ھ، ترجمۃ علی بن اسماعیل (ابوالحسن الاشعری)، ج ۳ ص ۳۵۲، ۳۵۳، ہجر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ط ۱۴۱۳ھ ❷ کشف الباری عما فی صحیح البخاری، حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان متوفی ۲۰۱۷ء، ج ۱ ص ۱۱۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ط ۲۰۱۳ء

میں دو تین شرکاء اگر ایک حصہ مشترک طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرنا چاہیں بشرطیکہ خود ان کے اپنے حصے اس جانور میں ہوں، یہ صورت میرے والدؒ کے نزدیک جائز تھی، اور میرے حضرت سہارنپوریؒ کے نزدیک ناجائز تھی۔ قربانی کے زمانہ میں متعدد لوگ حضرت سہارنپوریؒ کے پاس پوچھنے آتے، تو حضرتؒ یوں فرمایا دیا کرتے تھے کہ میرے نزدیک تو ناجائز ہے مولانا یحیی صاحب کے نزدیک جائز ہے، تو ان سے مسئلہ پوچھ لے اگر وہ تجھے اجازت دیدیں تو اس پر عمل کر لینا۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں اس مسئلے میں میرا اور مفتی سعید احمد صاحب (سابق مفتی مظاہر العلوم) اور سابق ناظم مولانا عبداللطیف صاحب کے درمیان بھی اختلاف رہا، ان کے نزدیک یہ صورت ناجائز اور میرے نزدیک جائز تھی۔ ❶

۴......تھانوی حضرات کا اپنے مشائخ اور اساتذہ سے اختلافات

کسی کو یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ایک طالب العلم جس نے تھانوی حضرات سے پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہو، وہ ان کے سیاسی نظریات سے کیسے اختلاف کر سکتا ہے؟ اور صرف اختلاف نہیں بلکہ اس اختلاف کو تحریر اور تصنیف کی صورت میں عامۃ الناس کے سامنے پیش کرنے کی جسارت بھی کرتا ہے۔ ایک دفعہ ہمارے ایک خاص ساتھی دار العلوم کراچی کے فاضل اور متخصص سے ہماری گفتگو ہو رہی تھی، اس نے گفتگو میں اسی طرح کا اعتراض اٹھایا۔ اس کے جواب میں بندہ نے عرض کیا کہ بندہ نے اس طرح عمل اور طریقے کو تھانوی حضرات اور مشائخ سے سیکھا ہے، اور پھر اس کی پوری سند بیان کرتے ہوئے کہا کہ میرے استاذ مکرم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے کئی مسائل میں اپنے مشائخ اور اساتذہ سے اختلاف کیا ہے، پھر ان سے قبل ان کے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا بھی اپنے استاذ سے اختلاف کرنے کی مثالیں موجود ہیں، پھر ان سے آگے ان

❶ آپ بیتی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، آپ بیتی نمبر ۴ ص ۱۱۹، معہد الخلیل الاسلامی کراچی، ط ن

کے شیخ اور مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی بھی ایسی مثالیں ہیں جن میں انہوں کئی مسائل میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور دوسرے مشائخ سے شدید اختلاف کیا ہے۔ان سب کی تفصیل یہ ہے۔

(ا) حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے اپنے اساتذہ اور مشائخ سے اختلاف کرنے کے واقعات:

(الف) حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ جو تقریباً سب اکابر علماء دیوبند کے شیخ ہیں، انہوں تحریک آزادی ہند میں کانگریس کے ساتھ اتحاد ہونے اور شریک ہونے کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’ہندوستان میں انگریز کے پوری تسلط کے بعد حقوق طلبی کے لئے جب کانگریس قائم ہوئی تو سب سے پہلے حضرت قطب مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مسلمانوں کو اس میں شرکت کا فتوی دیا‘‘۔ ❶

لیکن حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس کے برخلاف فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا: کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کرام کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے۔ بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ ❷

(ب) اسی طرح حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تحریک عدم موالات میں اپنے استاذ سے شدید اختلاف کیا ہے، وہ اس طور پر کہ ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں تحریک ترک موالات کے نام سے ایک تحریک چلی تھی ،جس کا مقصد اس وقت کے حکمران انگریز سے ہر قسم کے تعلق اور تعاون کا انقطاع تھا، اس تحریک کی حمایت میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا مرتب کردہ فتوی حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے پانچ سو علماء کے دستخط سے جاری ہوا۔ ❸

❶ علماء دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج ، قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، ص ۱۷۴، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۸۸ء ❷ جواہر الفقہ ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۳۳۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ ❸ نقش حیات ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۶۷۵ ،دارالاشاعت کراچی، ط ن

حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا جیل سے رہائی کے بعد ۱۹۲۰ء میں ترک موالات کا فتویٰ دیا، یعنی گورنمنٹ برطانیہ سے تمام تعلقات اور معاملات ترک کر دینا، سرکاری خطابات اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا، کونسلوں کی ممبری سے علیحدگی اختیار کرنا اور امیدواروں کے لئے ووٹ اور رائے نہ دینا، دشمنان دین کے ساتھ تجارتی معاملات چھوڑ دینا، سرکاری یونیورسٹیوں اور کالجوں سے تعلق قائم نہ رکھنا، گورنمنٹ برطانیہ کی فوج میں ملازمت نہ کرنا، عدالتوں میں مقدمات نہ لیجانا اور انگریزی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا۔ ❶

لیکن حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے انفرادی طور پر اس تحریک سے موافقت نہیں کی، بلکہ اس کو ممنوع اور فتنہ قرار دیا۔ ❷

اسی طرح ترکی میں خلافت عثمانی کے استحکام اور حمایت میں حضرت شیخ الہندؒ اور دوسرے اکابر علماء نے ۱۹۱۹/۲۰ء میں ہندوستان میں تحریک خلافت کے نام سے ایک منظّم تحریک چلائی۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا تھا۔ ❸

لیکن حضرت تھانویؒ اس تحریک کے مخالف تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے رائے میں (حضرت حکیم الامتؒ کی) مخالفت کی، اور پورے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام حضرت والا سے رائے کا اختلاف رکھتے تھے۔ ❹

اور خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں: حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) کا اشتراک مصالحت تھا، نہ کہ متابعت، یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی، جس سے حضرت مولانا کو قوی امید تھی، کہ حکم اسلام کا غالب ہوگا، اور ہم لوگوں کا خیال

❶ جمعیۃ علماء کیا ہے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء ص ۱۱، ۱۲۴، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن، ماہنامہ الجمعیہ راولپنڈی دسمبر ۲۰۱۳ء ص ۳۳، ۳۴ ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۲۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ ❸ میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج ومذاق، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۱۷، ادارۃ المعارف کراچی ❹ مجالس مفتی اعظم، مفتی عبدالروف سکھروی، ص ۵۳۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء

قرائن ووجدان سے اس کا عکس تھا، سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا، اور مثل اختلاف شافعی حنفی کے اجتہادی تھا۔ ❶

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قول نقل کر کے فرماتے ہیں: تحریک خلافت کے معاملے میں حضرت شیخ الہندؒ اور آپ کے مایہ ناز شاگرد حضرت تھانویؒ کے درمیان رائے کا جو اختلاف تھا وہ معروف ومشہور ہے۔ حضرت تھانویؒ اس قسم کی تحریکات کو چونکہ مسلمانوں کے لئے مفید نہ سمجھتے تھے، اس لئے اس سے علیحدہ رہے، لیکن استاذ وشاگرد دونوں اپنے موقف پر پوری طرح ثابت قدم ہونے کے باوجود اس بات کا پورا یقین تھا کہ یہ رائے کا دیانت دارانہ اختلاف ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تحریک کے بعض کارکنوں نے تھانہ بھون میں جلسہ کرنے کا ارادہ کیا، اور حضرت شیخ الہندؒ سے اس کی صدارت کی درخواست کی۔ حضرت والد صاحبؒ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے یہ تجویز ذکر کی گئی تو حضرت نے سختی سے انکار کیا، اور فرمایا: کہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا، اگر میں تھانہ بھون میں جلسہ کروں گا تو مولوی اشرف علی کے لئے بڑی تکلیف کا سامان ہوگا، ان کو یہ گوارا نہ ہوگا کہ میں تھانہ بھون میں خطاب کروں اور اس میں موجود نہ ہوں، اور اگر شرکت کریں گے تو یہ ان کے دیانتدارانہ موقف کے خلاف ہوگا۔ اس لئے یہ کام نہیں کروں گا۔ چنانچہ ایسا ہوا، حضرتؒ تحریک کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں تشریف لے گئے، لیکن تھانہ بھون میں جلسہ نہیں کیا۔ ❷

(۲) مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا اپنے استاذ سے اختلاف:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بخاری شریف امام العصر حضرت علامہ شاہ انور شاہ

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل، ج۵ ص۴۰۱، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳ ❷ اکابر دیوبند کیا تھے؟ مفتی محمد تقی عثمانی، ص۲۰، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۸ء

کشمیریؒ سے پڑھی ہے، حضرت کشمیریؒ ان کے خاص استاذ تھے، اس کے باوجود متحدہ قومیت کے مسئلے میں دونوں کے نقطہ نظر میں اختلاف تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ ہندوستان میں متحدہ قومیت کے پرزور حامی تھے، اور اس کے متعلق بڑے مدلل انداز میں گفتگو فرماتے، انھوں نے جمعیت علماء ہند کے آٹھویں اجلاس اکتوبر ۱۹۱۲ء بمقام پشاور خطبہ صدارت میں متحدہ قومیت کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کرتے ہوئے اپنا نقطہ نظر یوں بیان فرمایا: حضور انور ﷺ نے ابتدائے زمانہ ہجرت میں باہم مسلمانوں اور یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا ان واقعات کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان دارالامان یا دارالحرب میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ کس قسم کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔ اس معاہدہ کے دفعات میں یہ بھی شامل تھا کہ یہ تمام معاہد جماعتیں (قریش، مہاجرین، انصار، یہود) دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلے میں ایک جماعت اور ایک قوم شمار ہوں گی۔ ❶

جبکہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ دو قومی نظریہ کے پرزور حامی اور مذکورہ متحدہ قومیت کے سخت مخالف تھے، انہوں اس کے خلاف ''وقایة المسلمین عن ولایة المشرکین'' (ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل کی شرعی حدود) کے نام سے رسالہ تصنیف فرمایا جو جواہر الفقہ جلد پنجم کا ایک جز ہے۔

اسی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دو قومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ ایک صحیح اور عقائد حقہ پر مبنی ہو جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہو گئے وہ جدا قوم اور جدا ملّت کہلائے، یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہو گیا جس نے پاکستان بنوایا''۔ ❷

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۱، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن

❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں، ج ا ص ۴۹، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳

اسی طرح جب دارالعلوم دیوبند میں انتظامی امور میں اساتذہ میں اختلاف پیدا ہوا، اور اساتذہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، جس کی بنا پر بالآخر علامہ انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گئے، حضرت مفتی محمد شفیعؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے مایہ ناز اور خصوصی شاگرد ہونے کے باوجود اس دوران ان کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ ان کے بجائے وہ دوسرے حضرات مولانا حبیب الرحمٰن وغیرہ کے ساتھ تھے۔ ❶

(۳) شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا کئی مسائل میں اپنے اساتذہ اور مشائخ سے اختلاف:

بندہ کے مطالعہ اور فہم ناقص کے مطابق تحقیق کی بنا پر اپنے مشائخ سے اختلاف رائے رکھنے میں استاذ محترم ان سب سے آگے ہیں، انہوں نے بہت سے مسائل میں نہ صرف اپنے اساتذہ سے نہیں بلکہ دوسرے بڑے مشائخ اور اکابر سے بھی اختلاف کیا ہے۔ یہاں پر بطور مثال چند اختلافی مسائل کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

(الف) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے استاذوں کے استاذ ہیں، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بخاری شریف حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ سے اور ترمذی شریف حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ سے پڑھی ہے، اور یہ دونوں حضرات حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ حضرت مدنیؒ ماہ رمضان میں رات کو باجماعت نوافل نماز پڑھنے کے جواز کے قائل تھے، اس مسئلہ میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ (اُس سال جب وہ دورہ حدیث کے طالبعلم تھے) نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا نام لے کر ان کے خلاف رمضان میں با جماعت نوافل پڑھنے کی کراہت پر ایک رسالہ لکھا تھا۔ ❷

❶ اکابر دیوبند کیا تھے؟، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۵۲، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۸ء

❷ تفصیل کے لئے دیکھیں فتاوی عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، فصل فی السنن والنوافل، ج۱ص ۴۴۵......۴۵۸، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط۲۰۰۷ء

(ب) حضرت حکیم الامت تھانوی صاحبؒ حقوق مجردہ کے بطور نزول وصلح عوض لینے کے قائل تھے، لیکن ان کی بیع کے جواز کے قائل نہیں تھے، حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس مسئلے میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے جواز بیع کے بھی قائل ہیں، اور بیع الحقوق کے نام سے اس موضوع پر ان کا رسالہ بھی ہے۔

فعلى ضوء القواعد الّتى استخلصناها فى موضوع بيع الحقوق، ينبغى أن يجوز الاعتياض عنه على طريق التنازل، دون البيع. وبهذا أفتى شيخ مشايخنا الامام أشرف على التهانوى رحمه الله تعالى وقاسه على مسألة التنازل بمال. ويبدو لهذا العبد الضعيف عفا الله عنه أنّ حقّ الاسم التجاريّ والعلامات التّجارية، وان كان فى الأصل حقّاً مجرداً غير ثابتٍ فى عينٍ قائمة، ولكنّه بعد التسجيل الحكوميّ الّذى يتطلّب جُهداً كبيراً وبذل أموال جمة، والّذى تحصل له بعد ذلك صفة قانونيّة تمثّلها شهادات مكتوبة بيد الحامل وفى دفاتر الحكومة، أشبه الحقّ المستقرَّ فى العين، والتحق فى عرف التجار بالأعيان، فينبغى أن يجوز الاعتياض عنه على وجه البيع أيضاً. ❶

(ج) بخاری شریف میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے استاذ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ تجارتی اجازت نامہ اور حق تصنیف کی بیع کو جائز نہیں کہتے ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: بیع کے لئے مبیع کا مال ہونا شرط ہے، اجازت نامہ مال نہیں اس لئے اس کی بیع جائز نہیں۔ ...حق تصنیف کی مروج بیع جائز نہیں، اس لئے کہ مصنف کا کوئی مخصوص حق ہے ہی نہیں۔ ❷

جبکہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان کی بیع کے جواز کے قائل ہیں۔ ❸

❶ فقہ البیوع، المفتی محمد تقی العثمانی، ج۱ ص ۲۷۷، مکتبہ معارف القرآن کراتشی، ط۱۴۳۶ھ ❷ احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد لدھیانوی، ج۶ ص ۵۲۶، ۵۳۰، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ط۱۴۲۲ھ ❸ دیکھیں بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، المفتی محمد تقی العثمانی، ص۱۲۰۔۔۔۱۲۵، مکتبہ دار العلوم کراتشی، ۱۴۱۵ھ

(د) حضرت شیخ مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ جو ترمذی شریف میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے استاذ ہیں، وہ موجودہ اسلامی بینکاری کے شدید ترین مخالف تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: احقر کا خیال ہے کہ اگر شراب نوشی کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ جواز فراہم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قمار اور جوئے کو اسلام ناجائز اور حرام بتاتا ہے، تو ایسا بینکاری نظام جس میں اسلام سے زیادہ یہود کے جاری کردہ سرمایہ داری بینکاری نظام کی ترجیحات اور تقاضے پورے کئے جارہے ہوں، اس کو اسلام کے نام پر کیوں جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ ❶

جبکہ اس کے برخلاف حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب شدومد کے ساتھ اس کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ سودی بینکوں کے طریق کار تبدیل کر کے اُنہیں شرعی اصولوں کے مطابق ڈھالنے کیلئے متبادل پیش کرنا قرآن وسنت اور اپنے اکابر کے طرز فکر وعمل کے عین مطابق ہے، اور اُسے اسلامی شراب یا اسلامی قمار کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ❷

ان کے علاوہ خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی بھی مثال ہے، کہ حدیث میں وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد ہیں، لیکن سیاست میں ان کی رائے حضرت مدنیؒ سے بالکل مختلف تھی۔

بہرحال نمونہ کے طور پر ہم نے یہ چند مثالیں پیش کیں، جن میں تھانوی حضرات اکابر نے سیاسی اور فقہی مسائل میں اپنے اساتذہ اور مشایخ سے اختلاف کیا ہے۔ اپنے اساتذہ اور مشایخ سے اختلاف ہونے کی حیثیت سے مذکورہ اختلافات پر طعن کرنا یا ان کو بے ادبی قرار دینا درست اور مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر دلائل کی روشنی میں ہم اپنی اس تالیف میں اپنے تھانوی مشایخ سے اس بنیاد پر اختلاف کا اظہار کریں کہ ان کی رائے اور اقوال جمہور علماء دیوبند کی رائے کے خلاف ہیں، یا اس بنیاد پر کہ ان کے اقوال اور دلائل جمہور علماء

❶ مروجہ اسلامی بینکاری، رفقاء دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، ص ۱۶، مکتبہ بینات کراچی، ۲۰۰۸ء ❷ غیر سودی بینکاری، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۲۹، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰ء

دیوبند کے اقوال اور دلائل کے مقابلے میں کمزور ہیں، تو اس اختلاف کو بے ادبی قرار دینا یا قابل طعن اور ملامتی سمجھنا درست نہیں ہوگا۔ ورنہ پھر یہ شعر اچھی طرح صادق آئے گا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہوجاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

بہرحال کوئی بندہ پر یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ اگر آپ سیاسی طور پر تھانوی حضرات سے اختلاف رکھتے ہوں، تو پھر ان سے پڑھا کیوں؟۔ تو میرا جواب یہ ہوگا کہ یہ اعتراض تو حضرت حکیم الامتؒ پر بھی ہوسکتا ہے، کہ انہوں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھا بھی ہے، اور پھر ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس موضوع اور طریقہ کار میں حضرت حکیم الامتؒ بندہ کے لئے سند اور دلیل ہے۔

۵......حضرت تھانوی صاحبؒ کا سیاسی میدان سے عملی تعلق نہ ہونا

اس میں شک نہیں کہ حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کی علمی اور اصلاحی شان بڑی بلند ہے، ان کی علمی اور اصلاحی خدمات اور تصنیفات میں ماضی قریب میں ان کا ثانی نہیں، تاہم وہ میدان سیاست کے آدمی نہیں۔ عملی سیاست میں انہوں نے حصہ نہیں لیا ہے اور بقول شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب: اگر چہ حضرت (حکیم الامت) کی شخصیت کوئی سیاسی شخصیت نہیں تھی اور نہ سیاست آپ کا کوئی خصوصی موضوع تھا، لہذا آپ کی کوئی تصنیف خالصتاً سیاست کے موضوع پر موجود نہیں ہے...۔ ❶

اور اپنے بارے میں بھی حضرت شیخ الاسلام صاحب فرماتے ہیں: عملی سیاست سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ ❷

جبکہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور ان کے متعلقین کی میدان سیاست سے وابستگی اور تعلق رہا ہے، چنانچہ دار العلوم عثمانیہ پشاور کے مفتی ذاکر حسن نعمانی

❶ حضرت حکیم الامت کے سیاسی افکار، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۷، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۰ء

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۸، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

صاحب فرماتے ہیں: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ تمام شاگردوں اور متعلقین میں اسلامی سیاست اور اسلامی جہاد کا جذبہ ضرور کسی نہ کسی درجہ میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی سیاست کی تو ہر وقت ضرورت رہتی ہے، اور جہاد کی کبھی کبھار۔ ❶

اور امام العصر حضرت علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے یہ بات نقل فرمائی ہے کہ جو شخص جس فن اور میدان کا نہ ہو، اور اس میں گفتگو اور بحث کرے تو ضرور اُس سے تعجب کی باتیں صادر ہونگیں۔ اور حضرت کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کا تجربہ ہوا ہے کہ جس فن سے جن حضرات کا خاص تعلق نہ ہو، اور پھر بھی وہ اس کے متعلق کلام اور گفتگو کریں، تو ان کی باتیں اس کے متقاضی ہیں کہ ان سے تعجب والا کلام صادر ہو۔

وصدق الحافظ ابن تيمية ان الرجل اذا تكلم فى غير فنه اتى بالعجائب. وهكذا جربناه فى رجال لا تكون لهم ممارسة فى فن، ثم اذا تكلموا اتوا فيه بما يقتضى منه العجب. ❷

تو جب عملاً وہ میدان سیاست کے آدمی نہیں ہیں، تو پھر سیاسی میدان اور نظریات میں ان کے تفردات ہو سکتے ہیں اور پھر ان کے تفردات سے اختلاف کرنے کی گنجائش بھی ہے اور ان کے سیاسی نظریات کا تجزیہ بھی ہوسکتا ہے۔

اور علامہ عبدالحی لکھنویؒ کے بقول ہر فن اور میدان کے خاص افراد اور اشخاص ہوتے ہیں، ہر فن میں اس کے ماہر سے صحیح معرفت حاصل ہوسکتی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

قلت: لا عجب ، فان الله تعالى جعل لكل مقام مقالا وخلق لكل فن رجالا، فكم من فقيه عائض فى بحار العلوم القاسية عاد عن تنفيذ الادلة الأصلية، وكم من محدث نقاد عاد عن تفريع الفروع الفقهية وتأصلها على القواعد الأصلية، وكم من مفسر خائض فى القرآن لا تمييز له فى معرفة

❶ جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان ماہنامہ العصر پشاور، اکتوبر ۲۰۱۹ء، ص۳۲ ❷ فیض الباری شرح صحیح البخاری، العلامۃ انور شاہ الکشمیری المتوفی ۱۳۵۲ھ، باب مایجوز من شروط المکاتب، ج۴ص۴۷، ن

الاحاديث الصحيحة والسقيمة، ولا امتياز له بين المشهورة والمصنوعة، وكم من صوفي سابح في بحار العلوم اللدنية عاجز عن درك ما يتعلق بالعلوم الظاهرة، وكم من عالم متبحر لا مذاق له في الطائف الباطنة. فاذن الواجب ان تنزل الناس منازلهم ونوفيهم حظهم، ونعرف مرتبتهم وقدرهم، فلا نعرج الأدنى الى رتبة الأعلى، ولا تنزل الأعلى الى رتبة الأدنى، ونعرف بكل فن من اهل ذلك الفن لا من مهرة غير ذلك الفن. فان صاحب البيت ادرى بما فيه، والماهر في شيء اعلم من غيره بما يتعلق به.❶

''میں کہتا ہوں: کہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر کلام اور بات کے لئے خاص وقت اور مقام مقرر کیا ہے، اور ہر فن کے لئے خاص افراد اور اشخاص کو پیدا کیا ہے، بہت سے فقیہ ایسے بھی ہیں جو قیاسی اور عقلی علوم کے سمندروں میں غوطہ لگانے والے ہوتے ہیں لیکن اصلی دلائل (قرآن وسنت) کے بیان اور تنفیذ سے اعراض کرتے ہیں، اور بہت سے نقاد محدثین ایسے ہیں جو قواعد اور اصول پر فروعی فقہی مسائل کے تفریع اور بنا کرنے سے اعراض کرتے ہیں، اور بہت سے مفسر ایسے بھی ہیں جن کا مشغلہ قرآن ہی ہے لیکن احادیث صحیحہ اور ضعیفہ، اور مشہورہ اور موضوعہ کے درمیان امتیاز کا علم اور معرفت ان کو حاصل نہیں ہوتی، اور بہت سے صوفی ایسے ہیں جو لدُنی علوم کے سمندروں میں تیرنے والے ہوتے ہیں لیکن علوم ظاہرہ کے متعلقات کے فہم اور علم سے عاجز ہیں، اور بہت سے علوم ظاہرہ کے ماہر اور متبحر ایسے ہیں جن کو لطائف باطنیہ کے ساتھ تعلق اور واسطہ نہیں ہوتا۔ پس ایسی صورت حال میں یہ لازم ہے کہ ہم لوگوں کو اپنے اپنے درجے اور مرتبے میں جگہ دیں، اور ان کے مرتبے کا پورا لحاظ کرتے ہوئے ان کے مرتبہ اور قدر پہچانیں، ادنیٰ کو اعلیٰ کے مرتبے اور اعلیٰ کو ادنیٰ مرتبے میں نہ رکھیں، اور ہر فن کو اس کے ماہر سے سمجھیں، اس لئے

❶ الآثار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، محمد عبدالحی اللکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ، ص ۸، ۹، مکتبۃ الشرق الجدید بغداد، ط ن

کہ گھر کے مالک کو اپنے گھر کا زیادہ علم ہوتا ہے، اور کسی چیز کے بارے اس کے ماہر کو دوسروں کی بنسبت زیادہ علم ہوتا ہے''۔

لہذا جو حضرات کتنے ہی بڑے عالم، صوفی اور مصنف کیوں نہ ہوں، لیکن میدان سیاست سے وابستگی نہ رکھتے ہوں، تو میدان سیاست میں ان کے مقابل اور بنسبت ان حضرات کا تجزیہ اور رائے زیادہ قابل عمل اور راجح ہوگی جو عملاً سیاسی میدان میں شریک ہیں۔

۶......اقوال ضعیفہ کی وجہ سے بزرگوں پر بھی جرح اور تنقید ہوسکتی ہے

جس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خاک پا کے برابر نہیں ہیں، تو اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ ان کی رائے کے خلاف کچھ لکھنے یا منظر عام پر لانے سے ان کو نہ کچھ نقصان ہوگا اور نہ ان کے مرتبے میں کوئی کمی آئیگی۔ تو پھر ذہنوں میں یہ سوال اور اشکال آسکتا ہے کہ اس کتاب لکھنے کے کیا مقصد اور کیا ضرورت تھی؟ تو اس سوال کے جواب دینے اور کتاب کے لکھنے کے اسباب اور دواعی سے پہلے ہم بطور تمہید کچھ گزارشات اور وضاحت کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ دین کے معاملے میں کسی تعلق اور رشتہ کا لحاظ نہیں ہوتا، رشتے اور تعلق پر دین کو ترجیح حاصل ہے۔ حدیث کے باب میں محدثین کرام نے اسی بات کی بڑی وضاحت فرمائی ہے، چنانچہ جرح اور تعدیل کے مشہور امام علی بن المدینیؒ المتوفی ۲۳۴ھ سے کچھ لوگوں نے ان کے والد کے متعلق پوچھا کہ وہ روایت میں کس درجے کے ہیں، تو جواب میں صاف فرمایا: کہ چونکہ یہ دین کا معاملہ ہے، اس لئے صاف کہتا ہوں کہ وہ ضعیف ہیں۔

حتی ان ابن المدینی سُئل عن ابیه، فقال: سلوا عنه غیری، فأعادوا، فأطرق ثم رفع رأسه فقال: هو الدین، انه ضعیف۔ ❶

اسی طرح جب دین کا معاملہ آجائے تو پھر کسی کی بزرگی یا تقویٰ کے مقابلے میں دین

❶ فتح المغیث بشرح ألفیة الحدیث، شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ، المتکلمون فی الرجال، ج۴ص۳۵۶، مکتبة السنة مصر، ط۱۴۲۴ھ

کے معاملے کو ترجیح دی جائے گی، محدثین کرام نے بعض ایسے حضرات کی روایات اور ان کی شان روایت پر جرح کی ہے، جن کے تقویٰ اور بزرگی کے بارے میں خود جرح کرنے والے کا خیال اور گمان یہ تھا کہ وہ اپنی بزرگی اور تقویٰ کی وجہ سے ہم سے بہت پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ دے چکے ہیں۔

وقد قال ابن معین نتکلم فی الذین غرزوا خیامھم فی الجنة قبلنا بمائتین. ❶

امام مالکؒ امام شافعیؒ کے استاذ ہیں، امام شافعیؒ ان کا بڑا معتقد تھا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنے اساتذہ امام مالک جیسی شخصیت اور دیکھی ہے؟ جواب میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہمارے بڑوں نے امام مالک جیسی شخصیت نہیں دیکھی تو ہم کہاں دیکھ پاتے۔ اس علمی عظمت کے اعتراف کے باوجود امام شافعیؒ نے ایک سال تک استخارہ کرنے کے بعد ان کے خلاف کتاب لکھی، اور فرمایا کہ امام مالکؒ بہرحال انسان تھے، ان سے خطا اور غلطی ہوسکتی ہے۔ ❷

بہرحال دین کے معاملے میں حق پسندی اور حق گوئی ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز رہا، اس بارے میں تحقیق کے بعد اپنے رائے کے اظہار میں نہ خوف کو سامنے رکھا اور نہ لومۃ لائم کو خاطر میں لایا۔

ہر بات میں حق بات کا اظہار کریں گے
منبر نہیں ہوگا تو سروار کریں گے

حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحبؒ کے سیاسی نظریات کا تجزیہ کرنے کی ضرورت: حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ بڑی بلند ہستی تھی، انکی عظمت شان کی وجہ سے ان کے تفردات کو بھی معمول بھا قرار دیا جارہا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ ان کے بعض

❶ معارف السنن، العلامہ محمد یوسف البنوری المتوفی ۱۳۹۷ھ، باب الاستنجاء بالحجرین، ج ۱ص ۱۲۵، ایچ ایم سعید کمپنی کراتشی، ط۱۴۱۳ھ

❷ ملفوظات امام شافعی رحمہ اللہ، مولانا محمود اشرف عثمانی مختصراً ص ۱۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۱۴۲۸ھ

سیاسی نظریات کا بنظر غائر تجزیہ کیا جائے تاکہ یقینی طور پر اگر ان کا تفرد ثابت ہو تو پھر ایسے نظریات کو ترک کر کے جمہور علماء کے نظریات پر عمل کرنا لازم ہوگا۔

۷...... کتاب لکھنے کے اسباب ودواعی

۱۔تفردات کو آشکارا کرنا: مقدمہ کی ابتدا میں اس بات کی تفصیل کی گئی کہ تفردات پر عمل کرنا بہت نقصان پر منتج ہوسکتا ہے، اس لئے علماء کرام نے ہمیشہ تفردات سے بچنے اور اجتناب کرنے کی تلقین کی ہے۔عظمت شان کے باوجود حضرت حکیم الامت تھانویؒ سیاسی میدان میں تفردات کے حامل اور قائل رہے ہیں، جس کی تفصیل باب اول میں آرہی ہے، طلباء بلکہ اکثر حضرات علماء کو بھی ان کے تفردات کے بارے میں تحقیق نہیں ہے۔ہم نے اس کتاب میں مدلل انداز میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان مسائل میں جمہور علماء دیوبند ایک طرف ہیں اور حضرت تھانویؒ دوسری طرف متفرد ہیں۔اب اس تحقیق کے بعد ہر ایک شخص کو ان شاء اللہ اندازہ ہوجائے گا کہ وہ عملی اور نظریاتی طور پر کس طرف ہے۔اور اگر وہ اس بات سے مطمئن ہوتا ہے کہ یقیناً ایک طرف جمہور ہیں اور دوسری طرف تفرد ہے، تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ تفرد کو چھوڑ کر جمہور علماء کے موقف کو اپنائے۔

۲۔۔سیاست کی اہمیت: عموماً تھانوی حضرات کے ہاں سیاست کی اہمیت زیادہ نہیں ہے جس کی تفصیل باب اول اور باب دوم میں آرہی ہے۔اور یقیناً سیاست کی اہمیت کو کم سمجھنے اور کم کرنے سے بہت نقصان ہوسکتا ہے، سقوط بغداد اور اسی طرح تاریخ میں مسلمانوں کے زوال کے دوسرے واقعات کے اسباب میں سے بڑا سبب یہ تھا کہ اہل علم نے اجتماعی اور ملکی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ ترکی کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترکی کے المیے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ علماء نے اس دور کے تقاضوں اور نئی نسل کی بے چینی کو رفع کرنے اور اسلام کو سیاسی، مذہبی، فکری، اجتماعی، مسئلہ انتظامی اور قائدانہ حیثیت سے اس کی برتری ثابت کرنے کی صلاحیت کا ثبوت نہیں دیا جس کی وجہ سے ترکی لادینیت

کی راہ پر لگ گیا یہی خطرہ مسلم ممالک کے لئے موجود ہے۔اور حضرت نے یہ بھی فرمایا: یاد رکھئے اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے اور جو گرم سرد ہوائیں چل رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائیں گے اور ہم کسی مکیّف مکان میں رہنا شروع کردیں گے جہاں نہ گرم جھونکا پہنچ سکے نہ سرد، تو ہم اپنے ساتھ بھی بدخواہی کریں گے اپنے دین کے ساتھ بھی ،کوئی فرقہ ،ملک کی آبادی کا کوئی عنصر باقی عناصر سے کٹ کر نہیں رہ سکتا... مسلمانوں میں سیاسی شعور ''الوعی السیاسی،، شہری شعور ''الوعی المدنی،، پیدا کرنا ضروری ہے۔ ❶

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: یہ اندیشہ بے جا نہیں ہے کہ اگر علماء حق نے اس ملک کی سیاسیات میں عملاً حصہ لے کر اسلامی نظام کے اجتماعی قیام و بقا کی کوئی صورت نہیں نکالی اور اس ملک کے نظام حکومت اور قوانین ساز مجالس میں اسلامی تحفظ کی راہ نہیں پیدا کی ،تو خدانخواستہ ہمارے مساجد و مدارس اور خانقاہوں کی بڑی سے بڑی عمارتیں بھی بیکار پڑی رہیں گی ، کیونکہ لادینی اقتدار خواہ وہ نام نہاد مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہو وہ تمام مراسم اور شعائر اسلامی کو ایک ایک کر کے تباہ و برباد کردیگا۔ دنیا کی تاریخ میں ایسے شواہد موجود ہیں کہ جب گمراہ اور بے دینوں کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہے تو انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ ❷

۳۔۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تھانوی حضرات علمی میدان میں اعلیٰ درجے پر فائز ہیں، اور اس میدان میں ان کی دینی خدمات لازوال ہیں۔لیکن بہت سے حضرات علمی میدان پر قیاس کرتے ہوئے سیاسی میدان میں بھی ان کے اقوال اور نظریات کو بڑے قابل عمل اور راجح سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سیاسی میدان سے عملی طور پر تقریباً لاتعلق ہیں، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب برصغیر کے سب سے بڑے مصنف حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بارے میں فرماتے ہیں

❶ علماء کا مقام اور انکی ذمہ داریاں ،مولانا ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء،ص ۴۷، ۴۸، ۶۸، ۱۱۷ مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن

❷ جمعیۃ العلماء کیا ہے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء،ص ۵۳، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ۱۹۹۹ء

کہ آپ کی کوئی تصنیف خالصتاً سیاست کے موضوع پر موجود نہیں ہے....۔ ❶

اور اپنے بارے میں بھی شیخ الاسلام صاحب فرماتے ہیں: عملی سیاست سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ ❷

ہم نے اس کتاب میں اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تھانوی حضرات علمی شان اور خدمات کے باوجود میدان سیاست میں وہ اعلیٰ درجے پر فائز نہیں ہیں، بلکہ وہ اس میدان میں کمزوریوں کے شکار ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے علامہ ابن تیمیہؒ کے بارے میں بڑی اصولی بات فرمائی ہے: کہ اللہ تعالیٰ ان سے چشم پوشی فرمائے اور ان سے راضی ہو، میں نے ان جیسا عالم نہیں دیکھا ہے، لیکن بعض فتاوی میں تفردات اختیار کرنے کی وجہ سے ان پر کلام کیا گیا، اگرچہ وہ فتاوی ان کے علم کے سمندر میں چھپ گئے ہیں، اس لئے کہ امت میں ہر فرد کا یہ حال ہے کہ اس کے اقوال میں سے کچھ قابل قبول ہوتے ہیں اور کچھ چھوڑ دینے کے لائق ہوتے ہیں۔

وقد انفرد بفتاوی نیل من عرضه لأجلها، وهي مغمورة في بحر علمه، فالله تعالىٰ يسامحه ويرضى عنه، فما رأيت مثله، وكل أحد من الأمة فيؤخذ من قوله ويترك. ❸

۴۔۔ جمعیت علماء اسلام جو سب سے بڑی سیاسی مذہبی جماعت ہے، اور سیاسی میدان میں اس کی شاندار خدمات ہیں۔ تھانوی حضرات کی طرف سے اس پر اور اس کے قائدین پر اعتراضات ہوتے رہتے ہیں، جس کی تفصیل بھی ان شاءاللہ آگے آرہی ہے۔

اور ایک بڑا طبقہ ان کی علمی شان کو دیکھ کر ان اعتراضات میں ان کے ہاں میں ہاں

❶ حضرت حکیم الامت کے سیاسی افکار، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۷، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۰ء

❷ اسلام اور سیاست حاضرہ، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۸، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۲۰۰۸ء

❸ تذکرۃ الحفاظ، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، الطبقۃ الحادیۃ والعشرون، ج ۴ ص ۱۹۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱۹۹۸ء

ملاتا ہے۔ چونکہ کسی پر اعتراض کرنا اور انگلی اُٹھانا بڑا آسان کام ہے لیکن یہ اس وقت بامعنی ہوگا جب معترض اس سے بہتر یا اس کے برابر اور مثل کارنامہ پیش کر سکے۔

ہم نے اس کتاب میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تھانوی حضرات جتنے بھی اعتراضات اور اختلاف کریں وہ سیاسی میدان میں جمعیت علماء اسلام کے برابر نہیں ہیں، اور میدان سیاست میں خود کمزوریوں کے شکار ہونے کی وجہ سے ان کے اعتراضات وزن نہیں رکھتے ہیں۔

۸......اصاغر کے اپنے اکابر سے اختلاف کا جواز

حقیقت میں اس کتاب میں اکابر سے اپنا اختلاف یا اپنی رائے کو ان کی رائے کے مقابل میں پیش کرنے اور بیان کرنے کی جسارت نہیں ہے، بلکہ درحقیقت ان اکابر کا دوسرے جمہور اکابر سے جو اختلاف رہا اس کی وضاحت اور جمہور کی رائے کو ترجیح دینے کا اثبات ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجھے اس کتاب لکھنے میں بڑا تأمل تھا، اس لئے کہ اس میں بڑے اکابر کے سیاسی نظریات اور اقوال کا تجزیہ بیان کرنا تھا جس کے ضمن میں جرح اور تنقید کا بھی شائبہ تھا، لیکن اس سلسلے میں خود ان اکابر کے اقوال اور طرز عمل سے وہ تأمل دور ہو گیا۔

وہ اس طرح کہ جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا چند سیاسی مسائل میں اپنے استاذ سے اختلاف تھا، تو ان پر اس اختلاف کی وجہ سے لوگ اعتراض کرنے لگے، اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے فرمایا: زمانہ تحریک میں عام طور سے مجھ پر اعتراض ہوا کہ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا۔ میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اختلاف کیا اس کا کیا جواب ہے، دوسرے میں نے مولانا سے اختلاف کیا خلاف تو نہیں کیا، خدانخواستہ میں نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی اور نہ مولانا پر بحمد اللہ اس اختلاف سے ذرہ برابر گرانی ہوئی، اس لئے کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے باخبر تھے، اور اختلاف تو میں نے بعض بعض مسائل میں حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کیا ہے جو حضرت مولانا کے بھی شیخ تھے۔ ❶

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''پیر و مرشد کا فقہی اختلاف'' کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس میں انہوں نے ایک مسئلہ میں اپنے مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اختلاف کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت سے مکاتبت کے بعد مختلف پہلوؤں پر زبانی گفتگو بھی ہوئی، مگر ایک صورت پر اتفاق رائے پیدا نہیں ہوا، حضرت کی طرف سے حکم یہی تھا کہ جو رائے ہو اس کو پوری صفائی سے پیش کرو، اس میں ادب مانع نہیں ہونا چاہئے، آخر میں احقر نے عرض کیا کہ حضرت کی تحقیق کے بعد غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہ میری ہی رائے غلط ہوگی، مگر کیا کروں اس کا غلط ہونا مجھ پر واضح نہیں۔ اس پر حضرت نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اچھا بس آپ اپنی رائے اور فتویٰ پر رہو، میں اپنے رائے اور فتویٰ پر ہوں۔ مستفتی کو ہم اس کا اطلاع کردیں گے کہ اس مسئلے میں ہم اور ان میں اختلاف ہے، اور ہم کسی جانب کو بیقین غلط بھی نہیں کہہ سکتے، اس لئے تمھیں اختیار ہے کہ جس پر چاہو عمل کرلو۔ عجیب اتفاق ہے کہ مستفتی جو حضرتؒ کے مرید اور خلیفہء خاص تھے، ان کو جب اختیار ملا، تو انہوں عرض کیا کہ اگر مجھے اختیار ہے تو بندہ محمد شفیع کے فتویٰ کو اختیار کرتا ہے۔ حضرتؒ نے بڑی خوشی کے ساتھ اس کو قبول کیا۔ ❷

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحبؒ فرماتے ہیں: ہمارے مشائخ واکابر میں ہمیشہ سے بہت مسائل میں اختلاف ہوتا آیا ہے، لیکن کبھی بھی ان حضرات نے اپنے متبعین پر جبر نہیں کیا کہ ہمارے قول پر عمل کیوں نہین کرتے۔ میرے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور میرے والد صاحبؒ میں متعدد مسائل میں اختلاف تھا اور حضرتؒ

---

❶ پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویر الحق، ص ۳۱، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط ۲۰۰۹ء ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، غیر مسلموں کے ساتھ اشتراک عمل، ج ۲ ص ۱۶۲، ۱۶۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳

بعض لوگوں کو خود فرما دیتے تھے کہ میرے نزدیک فلاں چیز جائز نہیں، لیکن مولوی محمد یحیی صاحب کے نزدیک جائز ہے، تیرا دل چاہے اوپر جا کر ان سے پوچھ لے، اس کے موافق عمل کر لے۔ ❶

ہماری یہ کتاب اگرچہ سیاسی مسائل میں اختلاف کے موضوع پر ہے، لیکن اس کا حکم بھی فقہی مسائل کے اختلاف کی طرح ہے، جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اپنے استاذ حضرت شیخ الہندؒ سے جو اختلاف تھا، وہ سیاسی مسائل میں تھا، حضرت حکیم الامتؒ نے اس کو امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے اختلاف سے تشبیہ دے کر واضح کیا کہ دوں قسم اختلاف کا حکم ایک جیسا ہے۔

۹......اکابر کی گستاخی اور ان پر بدزبانی کرنا سخت نقصان دہ ہے

اس مقدمہ کے آخر میں اس بات کو بڑے اہتمام سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قارئین حضرات اس بات کو یاد رکھیں کہ اس کتاب میں ہم نے جن اکابر کے سیاسی نظریات کا تجزیہ کیا ہے، دوسروں کی طرح وہ بھی ہمارے اکابر ہیں، عقیدت، عظمت شان، ادب اور احترام سب کا ایک جیسا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ دلائل کے تناظر میں ان کے مقابلے میں دوسرے حضرات کے نظریات اور رائے کو راجح قرار دینے کا حق تو رکھتے ہیں، لیکن ان سے بدگمان ہونے اور ان کی گستاخی اور توہین کرنے، یا ان کے نام کو تحقیر سے لینے کا بالکل کسی کو حق نہیں ہے، اور اس طرح کرنا اپنی عاقبت اور انجام کو خراب کرنے کے مترادف ہیں۔ یہ سب حضرات بڑے بزرگ اولیاء اللہ ہیں، اور اولیاء اللہ کی گستاخی کرنے اور ان سے دشمنی کرنے کی بہت بڑی وعیدیں آئی ہیں۔

عن أبی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ قال: من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب. ❷

❶ الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، ص ۲۲۲، اتحاد بک ڈپو دیوبند، ط ن ❷ صحیح البخاری، محمد بن اسمٰعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب الرقاق، باب التواضع، ج ۲ ص ۹۶۳، مکتبہ یادگار شیخ لاہور، ط ن

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ جو میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے تو میری طرف سے اس کے لئے اعلان جنگ ہے''۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: کہ یہاں ولی سے ایسا عالم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی پابندی کرتا ہو اور اس کی عبادت کرنے میں مخلص ہو۔

المراد بولی الله العالم بالله المواظب علی طاعته المخلص فی عبادته. ❶

اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک کے ولی سے دشمنی کرنے والے اور دوسرا سود کھانے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ کا آیا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں گناہ بڑے خطرناک ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان جنگ سوء خاتمہ پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ جس سے اللہ تعالی جنگ کرے وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔

وهذا يدل علی ما فی هاتین الخصلتین من عظم الخطر، اذ محاربة الله للعبد تدل علی سوء خاتمته، لان من حاربه الله لا یفلح ابدا. ❷

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وروی الخطیب البغدادی عن الشافعی وابی حنیفة رضی الله عنهما قالا: ان لم تکن الفقهاء اولیاء الله فلیس لله ولی. وفی کلام الشافعی الفقهاء العاملون. وعن ابن عباس رضی الله عنهما: من آذی فقیها فقد آذی رسول الله صلی الله علیه وسلم، ومن آذی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقد آذی الله عزوجل. ❸

''خطیب بغدادیؒ نے امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ان دو حضرات نے فرمایا کہ اگر فقہاء کرام اللہ تعالیٰ کے اولیاء نہ ہوں تو پھر تو اللہ تعالیٰ کا کوئی ولی ہی

❶ فتح الباری، احمد بن علی بن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ، ج ۱۱ ص ۳۴۲، دار المعرفۃ بیروت، ط ۱۳۷۹ھ
❷ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، علی بن سلطان الملا الہروی القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، کتاب الدعوات، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ، ج ۴ ص ۱۵۴۴، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۲۲ھ ❸ المجموع شرح المہذب، ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ، ج ۱ ص ۲۴، دار الفکر بیروت، ط ن

نہیں۔اور امام شافعیؒ کے کلام میں ہے کہ عمل کرنے والے فقہاء کرام اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں۔اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: کہ جو کسی فقیہ کو اذیت پہنچائے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی،اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائے اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی"۔

وقال الامام الحافظ ابو القاسم بن عساكر رحمة الله: اعلم يا اخى وفقنى الله واياك لمرضاته وجعلنا ممن يخشاه ويتقيه حق تقاته، ان لحوم العلماء مسمومة،وعادة الله فى هتك استار منتقصيهم معلومة، وان من اطلق لسانه فى العلماء بالثلب بلاه الله قبل موته بموت القلب. ❶

"امام ابن عساکرؒ فرماتے ہیں: اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے،اور ہمیں ان لوگوں میں داخل فرمائے جو ان سے ڈرنے والے ہوں اور اچھی طرح تقوی اختیار کرنے والے ہوں، یہ بات جان لے کہ علماء کے گوشت زہریلے ہیں،اور ان کی گستاخی اور تنقیص کرنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہ عادت معلوم ہے کہ وہ ان کی پردہ دری اور افشائی کرتا ہے،اور جو شخص علماء پر عیب لگانے میں لب کشائی کرتا ہے اس کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مردہ کر دیتا ہے"۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بقول مسائل میں اختلاف ہمیشہ سے ہوکر آیا ہے،اعتدال میں رہتے ہوئے یہ کوئی بری چیز نہیں ہے،البتہ اعتدال سے تجاوز کرنے سے برائی پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:غور سے سنو کہ اختلاف رائے خواہ ممدوح ہو یا مذموم،کسی اختلاف میں حد سے تجاوز کرنا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے بڑھ کر معاملہ کرنا اسلامی تعلیم کے منافی ہے...میں نہیں کہتا کہ اختلاف رائے نہیں ہوتا، یا اختلاف مسائل نہیں ہوتا، یا آپس کا نزاع نہیں ہوتا، یہ سب چیزیں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہیں اور رہیں گی۔ ❷

❶ المجموع شرح المہذب،ابوزکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ،ج۱ص۲۴،دارالفکر بیروت،ط ن ❷ الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء،ص ۲۳۹،۲۴۰،اتحاد بک ڈپو دیوبند،ط ن

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: علم و تحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں ایک طالب علم کو کسی دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض مقامات پر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں حضرت والد صاحبؒ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) کا طرز عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب واحترام اس اختلاف رائے کے اظہار میں مانع ہوا، اور نہ کبھی اختلاف رائے نے ادب واحترام میں ادنیٰ رخنہ اندازی کی، آپ نے بعض مسائل میں بڑے بڑے علماء سے اختلاف کیا، بلکہ اپنے شیخ و مربی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بھی چند فقہی مسائل میں اختلاف رائے رہا، اور خود حضرتؒ نے آپ سے یہ فرمایا کہ تمھارے دلائل پر مجھے شرح صدر نہیں ہوتا، اور میرے دلائل پر تمھیں شرح نہیں، اس لئے دونوں اپنے موقف پر رہیں تو کچھ حرج نہیں۔ ❶

مقدمہ کے آخر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ایک ملفوظ نقل کرنا چاہتا ہوں، جس میں انہوں نے تحریک خلافت میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ سے اختلاف کے باوجود دونوں کے تعلقات کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے ذرہ برابر بھی انقباض پیدا نہیں ہوا اور نہ ان میں سے کسی ایک نے دوسرے کے حق میں توہین آمیز رویہ اپنایا تھا، اور نہ ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ جوللّٰہیت اور وسعت ظرفی کی ایک اعلیٰ مثال معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: حضرت مولانا (شیخ الہندؒ) قدس سرہ کی حیات میں اپنے مسلک پر آزادی سے عمل کرتا تھا، حضرتؒ کی وفات کے بعد سے دیکھ بھال کر عمل کرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ حضرت اختلاف کی حقیقت سے واقف ہیں، حضرت کے قلب پر میرے اختلاف سے ذرہ برابر بھی گرانی نہ تھی۔ پانی پت کے ایک مولوی صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ مرض الموت میں دہلی میں حضرت کے پاس

❶ میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق، مفتی محمد عثمانی ص ۱۳۸، ۱۳۹، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۴ء

جب زیادہ اختلاف کی خبریں پہنچیں، تو یہ فرمایا کہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے، لاؤ میں کچھ اپنی رائیوں سے ہٹ جاؤں۔ حضرت کی نظر میں اختلاف کا یہ درجہ تھا۔ ایک مرتبہ تحریک خلافت کے زمانہ بیٹھک میں لوگ بیٹھے ہوئے میرے متعلق برے بھلے الفاظ کہہ رہے تھے۔ کچھ الفاظ حضرت کے کانوں میں پڑے باہر تشریف لائے بہت خفا ہوئے، اور یہ فرمایا کہ تم اس شخص کے باب میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں ایسا ایسا سمجھتا ہوں، مجھ کو وہ الفاظ بیان کرتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے جو حضرت نے فرمائے، مگر چونکہ اب ذکر آ گیا عرض کرتا ہوں، وہ الفاظ یہ ہے کہ جس کو تو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں۔ اور یہ فرمایا خبردار! جو آئندہ ایسے الفاظ کبھی استعمال کئے، اور یہ فرمایا کہ میرے پاس کیا کوئی وحی آتی ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ سب ٹھیک ہے، میری بھی ایک رائے ہے اُس کی بھی ایک رائے ہے۔ ایک مرتبہ حضرت (شیخ الہندؒ) نے یہ فرمایا کہ ہمیں تو اس پر فخر ہے کہ جو شخص تمام ہندوستان سے بھی متاثر نہ ہوا اور کسی کی بھی پرواہ نہ کی وہ بھی ہماری ہی جماعت سے ہے، حضرت کی نقل کو تو جی چاہتا ہے لوگوں کا، مگر حضرت جیسا حوصلہ تو پیدا کر لو۔ فلاں مولوی صاحب تحریک خلافت میں بہت سرگرم تھے، مسلک میں اختلاف تھا اور ہے مگر ذرہ برابر نہ ان کو مجھ سے انقباض ہوا، نہ مجھ کو ان سے۔ ❶

ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان

ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین اٰمنوا ربنآ انک رؤوف رحیم

---

❶ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۱۶، ج ا ص ۱۲۴، ۱۲۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۳ھ

باب اول: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے سیاسی تفردات

ا......امور مملکت سرانجام دینا علماء کا کام اور فرض منصبی نہیں ہے

حکمران اور علماء کے درمیان تقسیم کار کے بارے میں حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں، شان نبوت اور شان سلطنت، اس کے بعد خلفائے راشدینؓ بھی دونوں کے جامع تھے۔ مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہوں پر تقسیم ہو گئیں، شان نبوت کے مظہر علماء ہیں اور شان سلطنت کے مظہر سلاطین اسلام، اب اگر یہ سلاطین علماء سے استغناء کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے۔ اب صورت دونوں کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ سلاطین سے تو میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اپنی حدود میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک علماء حق سے استفتاء نہ کرلیں اور علماء سے یہ کہتا ہوں کہ وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں۔ اگر یہ دونوں شانیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہیں اس طرح جمع ہو جائیں تو مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت نکل آئے اور ان کی ڈوبتی ہوئی کشتی ساحل پر جا لگے ورنہ اللہ ہی حافظ ہے۔ ❶

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ تجربہ کا کام تو لیڈر کریں کہ وہ کسی کام کو کرنے سے پہلے علماء سے جائز و ناجائز معلوم کرلیں اور احکام بتلانے کا کام علماء کریں اس طرح ہر شخص اپنے فرض منصبی کو انجام دے اس صورت میں کامیابی کی امید نکل سکتی ہے کہ ہم اپنا کام کریں اور وہ اپنا کام کریں۔ ❷

---

❶ اصلاح المسلمین، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ص ۱۷۸، ۱۷۹، ادارہ اسلامیات لاہور، ط۱۹۸۲ء ❷ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۵، ج ۱ ص ۲۸، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط۱۴۲۳ھ

تجزیہ

حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے مذکورہ مؤقف کا اگر یہ مطلب ہو کہ مجبوری کی حالت میں جب تک علماء تخت سلطنت تک نہیں پہنچے تو عارضی طور پر اس طریق کار کو اپنایا جائے کہ سلاطین علماء کی طرف رجوع کریں اور علماء ان کو احکام شرعیہ بتلادیں، تو پھر یہ مؤقف درست ہے، اور اگر اس مؤقف کا مطلب یہ ہو کہ اب مستقل طور پر اس طریق کار کو اپنایا جائے اور بظاہر حضرت حکیم الامتؒ کا مطلب یہ شق ثانی ہے، تو پھر یہ مؤقف محل نظر ہے اس لئے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین دونوں شانوں کے جامع تھے تو پھر اس طرح آج بھی علماء جو انبیاء کے وارث ہیں دونوں شانوں کے جامع ہونے کے لئے کوشش اور جدوجہد ان کی ذمہ داری ہے، شان نبوت اور شان سلطنت حقیقت میں دونوں کے مستحق علماء ہی ہیں۔

اگر کسی کے ذہن میں یہ بات ہو کہ آج کے دور میں علماء کا اقتدار اور سلطنت تک پہنچنا بظاہر مشکل ہے اس لئے اب یہی صورت پر عمل کرنا ہوگا کہ تقسیم کار کے طور پر سلطنت کو سنبھالنا دوسروں کی ذمہ داری ہے اور کام نبوت کو سنبھالنا علماء کا فریضہ ہے، اور پھر یہ ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آج کے دور میں بظاہر یہ حضرت تھانوی صاحبؒ کی بیان کردہ صورت بھی مشکل ہے، وہ یہ کہ اہل اقتدار والے علماء کی طرف رجوع کریں اور ان سے استفادہ اور استفتاء کریں۔

بہرحال اس بارے میں ہمارے ناقص مطالعے کے مطابق جمہور علماء کا مؤقف یہ ہے کہ اب بھی اس کی ضرورت ہے اور اس کی سعی اور جدوجہد کرنا علماء کی ذمہ داری ہے کہ علماء کام نبوت اور سلطنت دونوں کے حقدار ہونے کی بناء پر دونوں صفات کے جامع ہونے چاہئیں۔ علماء جس طرح مسجد کے امام ہوتے ہیں اسی طرح وہ ریاست کے بھی امام اور اہل ہیں، صرف مسجد کی امامت پر قناعت اور اکتفاء نہیں کرنا چاہئے۔

اولاً: خلفاء راشدینؓ اور تابعینؒ کا عمل

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں: کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق اس لئے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ان کو نماز کا امام بنایا تھا تو صحابہ کرامؓ نے اس سے استدلال کرتے ہوئے ان کو خلیفہ تسلیم کرلیا۔

وقد يشهد لذلک استدلال الصحابة فی شان ابی بکر رضی الله عنه باستخلافه فی الصلاة علی استخلافه فی السياسة فی قولهم ارتضاه رسول الله صلی الله عليه وسلم لديننا افلا نرضاه لدنيانا. ❶

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: خلفاء راشدینؓ سیاست نبوی سرانجام دیتے تھے، اور ان کے زمانہ میں اہل مدینہ بڑی اچھی اور خوشحال حالت میں تھے، اور اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اور اللہ تعالی کی نعمتوں میں زندگی بسر کررہے تھے۔

وکان أهل المدينة علی عهد رسول الله صلی الله عليه وسلم وعهد خلفائه الراشدين ابی بکر وعمر وعثمان أحسن اهل المدائن حالا ،ونعمة الله عليهم اعظم النعم لکونهم کانوا مطيعين لله ورسوله ،وکانت الخلفاء تسوسهم سياسة نبوية. ❷

اور خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک طرف خلیفہ اور سیاسی قائد تھے، امور مملکت سرانجام دینا ان کے ذمہ تھا، اور دوسری طرف مدرس اور استاذ العلماء بھی تھے۔

عن ميمون بن مهران قال: کان عمر بن عبد العزيز معلم العلماء. ❸

❶ تاریخ ابن خلدون، عبدالرحمٰن بن محمد بن محمد، ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ، الفصل الحادی والثلاثون فی الحفظ الدینیۃ الخلافیۃ۔ ج۱ص۲۷۳ ❷ الاخنائیۃ (الرد علی الاخنائی)، ابن تیمیہ احمد بن عبد الحلیم المتوفی ۷۲۸ھ، ص۱۹۴، دار اخراز جدہ، ط۱۴۲۰ھ ❸ الطبقات الکبری: طبقات ابن سعد، ابوعبداللہ محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ، ج۵ص۲۸۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ط۱۴۱۰ھ

ثانیاً: خلیفہ کے لئے عالم ہونے کی شرط

اس مسئلے کے متعلق عام کتابوں میں امام اور خلیفہ بننے کے لئے عادل اور عالم مجتہد ہونے کو شرط قرار دیا گیا، جس معلوم ہوتا ہے کہ امور مملکت سرانجام دینا بھی درحقیقت علماء ہی کا منصب، کام اور ذمہ داری ہے۔ چنانچہ علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں:

واما اهل الامامة فالشروط المعتبرة فيهم سبعة: احدها العدالة على شروطها الجامعة. والثانی العلم المؤدی الی الاجتهاد فی النوازل والاحكام. ❶

''امامت کی اہلیت کی معتبر اور اہم شرائط سات ہیں: پہلی شرط وہ عدالت ہے جو شرائط کو جامع ہو، دوسری شرط ہے ایسا علم ہونا جو واقعات اور احکام میں اجتہاد کے درجہ میں ہو''۔

علامہ احمد القلقشندیؒ فرماتے ہیں:

العاشر العدالة ، فلا تنعقد امامة الفاسق... الثانی عشر العلم المؤدی الی الاجتهاد فی النوازل والاحکام، فلا تنعقد امامة غير العالم بذلك. ❷

''امامت کی دسویں شرط عدالت ہے، تو فاسق کی امامت منعقد نہیں ہوتی... بارویں شرط ایسا علم ہے جو واقعات اور احکام میں اجتہاد کے درجہ میں ہو، تو غیر عالم اور غیر مجتہد کی امامت بھی منعقد نہیں ہوتی ہے''۔

۲......تزکیہ نفس کے بغیر سیاسی جدوجہد سے روکنا

حضرت حکیم الامتؒ کے نزدیک سیاسی جدوجہد اور جہاد کے لئے شرط لازم یہ ہے کہ انسان کے اعمال واخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں نہ جہاد ہے نہ حکومت وسیاست، اس میں صبر وتقوی کا حکم ہے۔ تیرہ سال مکی زندگی میں جب صحابہ کرام کے تزکیہ اخلاق اور مجاہدہ نفس مکمل ہونے کے بعد جہاد وسیاست کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: مسلمانوں کو مکہ میں

❶ الاحکام السلطانیۃ، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ، ص ۱۹، مکتبہ دارالحدیث القاہرہ ❷ مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ، ص ۳۶، ۳۷، احمد بن علی القلقشندی المتوفی: ۸۲۱ھ، مطبعہ حکومت الکویت، ط ۱۹۸۵ء

رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ملی، مدینہ میں پہنچ کر اجازت ملی... محققین نے فرمایا کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے اندر اخلاق حمیدہ، اخلاص وصبر وتقوی کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے اس وقت اگر قتال کی اجازت ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوش وغضب اور انتقام النفس کے لئے ہوتا محض اخلاق اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا اور اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی امداد کی جائے اور حمایت الٰہی انکو شامل حال ہو۔ چنانچہ آیت مذکورہ میں ”بلی ان تصبروا و تتقوا“ (آل عمران:۲۵۔) کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایت الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جب کہ مسلمان صبر وتقوی میں راسخ ہوں اور تقوی کے معنی ہیں احترز عما نهى الله عنه ،و امتثال ما امر به، جس میں اخلاص و احترازعن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی داخل ہے اور مدینہ پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔ ❶

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے اس دوران ایک صاحب نے یہ پیشکش کی کہ ہم آپ کو امیر المؤمنین بناتے ہیں آپ ہماری قیادت فرمائیے ،تو انہوں نے جواب میں فرمایا: امیر المؤمنین ہونے کے بعد سب سے اول حکم جو دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس سال تک سب خاموش، ہر تحریک اور ہر قسم کی شوروغل بند، اس دس سال میں انتظام کروں گا۔ مسلمانوں کو مسلمان بنانے کے اور ان کی اصلاح کیلئے باقاعدہ انتظام ہوگا۔ عرضیکہ مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا حکم دوں گا۔ ❷

تجزیہ

اولاً: تزکیہ اور تقوی کے حصول تک جہاد اور سیاست کو موقوف کرنے کی بات محل نظر ہے

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جہاد اور تحریکات سے پہلے اصلاح

---

❶ محاسن اسلام، ص ۲۸۰، بحوالہ حضرت حکیم الامت کے سیاسی افکار، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۴۴...۴۹ ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۰ء ❷ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۱۶، ج ۱ ص ۱۱۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۳ھ

امت اور تزکیہ نفس کی جو شرط لگائی ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ مسلمان کے لئے اصلاح اور تزکیہ نفس ضروری ہے تا کہ دین کے کام میں اخلاص پیدا ہو، تو پھر اس طرح کی شرط لگانے میں کوئی کلام نہیں، اور اگر اس سے ان کا یہ مطلب ہو کہ جب تک اصلاح نفس اور تزکیہ نہ ہو چکا ہو تو جہاد اور دوسری سیاسی تحریکات میں بالکل حصہ نہیں لینا چاہئے، اور اصلاح نفس تک ان تحریکات کو دس سال وغیرہ کے لئے موقوف کر دینا چاہئے۔تو پھر ان کی یہ بات محل نظر ہے، اس لئے کہ اگر جہاد یا تحریکات کا وقت ہو اور ہم لوگوں کو ان میں شریک کرنے سے اس وقت تک روکے رکھیں جب تک ان کی اصلاح نہ ہوئی ہو، کہ اس وقت تک وہ جہاد یا تحریکات میں شریک ہونے کو قابل ہی نہیں، تو شاید اس طرح شرط لگانا مناسب نہ ہو۔

اسی طرح کی بات ہمارے بعض تبلیغی حضرات بھی کرتے ہیں کہ جب تک مکی زندگی کے اعمال اور صورت پیدا نہ ہو، مدنی زندگی اور جہاد کارآمد نہیں ہے۔لیکن ان کے اس طرح کے بیانات اور بات کو علماء کرام کے حلقے میں پسند نہیں کیا گیا۔

جہاں تک مکی زندگی میں صبر کا حکم ہے تو اس کو دلیل بنا کر پیش کرنا اس لئے درست نہیں کہ اس وقت جہاد کا حکم نہیں تھا، اب جب جہاد کا حکم بھی ہے تو اصلاح نفس اور جہاد و سیاسی تحریکات سب ایک ساتھ چلیں گے، ایک کو دوسرے کے نہ ہونے کی وجہ سے موقوف اور بند نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ مفسرین کی ایک بڑی تعداد نے صبر وغیرہ کے حکم کو جہاد والی آیتوں سے منسوخ قرار دیا ہے۔

”واتقوا اللہ الذی انتم بہ مؤمنون“ وقیل ھذا الحکم منسوخ ایضاً. ❶

”واصبر علی ما یقولون“... وقیل ھو منسوخ بایۃ القتال. ❷

❶ مدارک التنزیل وحقائق التاویل (تفسیر النسفی)، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی المتوفی ۷۱۰ھ، الممتحنۃ:۱۱، ج۳ص۴۷۱، دار الکلم الطیب بیروت، ط۱۹۹۸ء

❷ مدارک التنزیل وحقائق التاویل (تفسیر النسفی)، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی المتوفی ۷۱۰ھ، المزمل:۱۰، ج۳ص۵۵۷، دار الکلم الطیب بیروت، ط۱۹۹۸ء

"فاصبر علی ما یقولون" منسوخ بایة القتال. ❶

ثانیاً: اس شرط کے بارے میں تھانوی حضرات کی تحقیق

جب مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم اور الگ مملکت کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے تحریک چلائی، اور اس تحریک میں تھانوی حضرات بھی اس کے ساتھ تھے، اس وقت مسلم لیگ کے قائدین تقوی اور تزکیہ کے اوصاف کے حامل نہیں تھے، تو تھانوی حضرات نے اس موقع پر تحقیق فرمائی ہے کہ ذاتی اعمال وافعال کا اچھا نہ ہونا مسلمانوں کی قیادت کرنے سے عقلاً وشرعاً مانع نہیں ہے، اور یہ تحقیق یقیناً حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی مذکورہ رائے کے بالکل برعکس ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور ادھر باتفاق موافق ومخالف یہ امر مسلم ہے کہ اس جنگ کے لئے مسٹر محمد علی جناح سے بہتر جرنیل نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ کسی دوسری قوم میں بھی نہیں۔ کس قدر بدنصیبی ہے اس قوم کی جو اپنے اندر ایسا جرنیل رکھتے ہوئے اس کو میدان عمل میں بڑھانے یا اس کے جھنڈے کے نیچے جنگ آزادی لڑنے میں اس لئے تامل کرے کہ وہ اپنے جرنیل میں تقویٰ وطہارت کے اوصاف نہیں پاتی۔ ریل موٹر، جہاز کا ڈرائیور اور کپتان مقرر کرتے وقت بڑے سے بڑا متقی دیندار اور دانشمند صرف اس کا اطمینان کر لینا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ ڈرائیوری کے فن میں ماہر اور مکمل ہے یا نہیں، اس میں اعتماد ہو جانے کے بعد اس کے ذاتی اعمال وافعال کا اچھا نہ ہونا نہ عقلاً اس کی گاڑی میں سوار ہونے سے مانع ہوسکتا ہے نہ شرعاً۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ تقویٰ وطہارت اسلام کا مقصود اعظم ہے اور مسلمانوں کے ہر کام کو چلانے والے اگر متقی پارسا آدمی میسر آئیں، تو بلاشبہ سعادت کبریٰ اور موجب برکات ہے، لیکن جو کام لینا ہے اس کا ماہر اگر کوئی متقی موجود نہ ہو یا وہ کام کرنے کے لئے

❶ تفسیر الجلالین، جلال الدین محمد بن احمد المحلی المتوفی ۸۶۴ھ وجلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، طہ: ۱۳۰، ج۱ ص۴۱۹، دار الحدیث القاہرۃ، ط ن

آمادہ نہ ہو یا اس کو اسباب میسر نہ ہوں تو غیر متقی ماہر فن سے وہ کام لے لینا آج اس شر القرون اور فسق وفجور کے زمانہ میں نہیں، بلکہ خیر القرون میں بھی جرم نہیں سمجھا گیا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب السیاسۃ الشرعیۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (جو جلیل القدر تابعی اور حضرت عمر فاروق اعظم کے نقش قدم پر امور خلافت انجام دینے کے سبب عمر ثانی کہلاتے ہیں) آپ نے کسی صوبہ دار حاکم نے آپ سے یہ سوال کیا کہ میں ایک فوجی عہدہ کسی شخص کے سپرد کرنا چاہتا ہوں، اور دو آدمی میری نظر میں ہیں، ایک نہایت قوی اور فنون حرب سے واقف ہے مگر متقی پابند شرع نہیں، اور دوسرا نہایت متقی پارسا ہے مگر قوی اور ماہر فن نہیں۔ آپ فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں میں سے کس کو یہ منصب سپرد کروں، آپ نے جواب دیا کہ ”قوی کی قوت تو مسلمانوں کے کام آویگی اور اس کے برے اعمال کی خرابی اس کی ذات کو پہنچے گی، اور متقی کا تقویٰ اس کی ذات کے لئے ہے، اور اس کے ضعف اور یا ناواقفیت سے جو نقصان ہوگا وہ سب مسلمانوں کو بھگتنا پڑے گا۔ اس لئے کام کے واسطے قوی غیر متقی کا انتخاب کرنا چاہیے۔ ❶

یہ تحقیق یقیناً حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی رائے کے بالکل مخالف ہے، اس لئے کہ حضرت تھانویؒ تو نفس قتال اور جہاد کے لئے عام افراد میں تقویٰ اور تزکیہ کا پایا جانا اس طور پر شرط لگاتے ہیں کہ جب تک تقویٰ حاصل نہ ہو اس وقت تک ساری جد جہد کو بند اور موقوف کیا جائے، جب کہ بعد میں ان کے متعلقین اور خلفاء نے خواص اور قائدین میں بھی اس کو شرط کے طور پر پائے جانے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

جو چاہیے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

تنبیہ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ”السیاسۃ الشرعیۃ“ کے حوالے سے مذکورہ سوال وجواب کا واقعہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا قرار دیا ہے، بندہ نے ”السیاسۃ الشرعیۃ“ کا

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، خطبہ صدارت، ج ۵ ص ۴۴۸...۴۵۰، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳

مطالعہ کیا، تو اس میں یہ سوال اور جواب اور واقعہ امام احمدؒ کا قرار دیتے ہوئے ملا، واللہ اعلم۔

فاذا تعين رجلان احدهما اعظم امانةو الآخر اعظم قوة، قدم انفعهما لتلك الولاية، واقلها ضررا فيهما، فيقدم فى امارة الحروب الرجل القوى الشجاع وان كان فيه فجور على الرجل الضعيف العاجز، وان كان امينا، كما سئل الامام احمد عن الرجلين يكونان اميرين فى الغزو، واحدهما قوى فاجر والآخر صالح ضعيف، مع ايهما يغزى. فقال اما الفاجر القوى فقوته للمسلمين، وفجوره على نفسه، واما الصالح الضعيف فصلاحه لنفسه وضعفه على المسلمين، فيغزى مع القوى الفاجر. ❶

۳......عملی سیاست علماء کا کام نہیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ علماء کی عملی سیاست کے مخالف تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر تم یہ چاہو کہ علماء اس سے آگے بڑھ کر سیاست میں عملی طور پر بھی حصہ لیں اور تمھارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں اور نہ تم کو انہیں مجبور کرنے کا حق ہے، تم نے علماء کو سمجھا کیا ہے، علماء جس کام کو کر رہے ہیں وہ اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جس بستی میں ایک ہی عالم ہو اور جہاد شروع ہو جائے تو اس عالم کو میدان جہاد میں جانا جائز نہیں، کیوں کہ علماء اگر مر جائیں گے تو علم دین کو کون سنبھالے گا۔ ❷

مذکورہ نظریہ وہ پتھر اور ستون ہے جس پر سیاسی لحاظ سے تھانویت کی عمارت اور بنیاد کھڑی ہے، اور تھانوی حضرات اگر چہ صراحتاً اس کا اظہار نہیں کرتے ہیں، لیکن ان کا عمل اور طریقہ کار یہی بتا رہا ہے کہ امور مملکت سر انجام دینا، سیاسی قیادت کرنا اور میدان سیاست سے

---

❶ السياسة الشرعية، ابن تيميه احمد بن عبد الحليم المتوفى ۷۲۸ھ، ص ۱۵، وزارة الشئون الاسلامية والاوقاف والدعوة والارشاد السعودية العربية، ط ۱۴۱۸ھ ❷ الافاضات الیومیہ، ج ۱۰ ص ۷۴، بحوالہ اسلام اور سیاست، مرتب مولانا محمد اسحاق ملتانی ص ۷۰، ۷۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

عملاً وابستہ ہونا علماء کا کام نہیں ہے، اس لئے اس وقت تھانوی حضرات کی نہ کوئی سیاسی جماعت ہے، اور نہ وہ سیاسی طور پر کوئی سرگرمی دکھاتے ہیں، بلکہ سیاست سے دور نظر آتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ اجل حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کے ارشاد سے یہ بات بڑی واضح ہوتی ہے، چنانچہ ان کے سوانح مرتب کرنے والا فرماتے ہیں: حضرت عارفیؒ نے عملی طور پر کبھی پاکستان کی سیاست میں حصہ لینا پسند نہیں فرمایا، اور علماء کو بھی یہی مشورہ دیتے تھے کہ عملی سیاست میں بالکل حصہ نہ لیں...اور وہ فرماتے تھے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ علماء دین، مبلغان اسلام اور محافظان حق اپنے مقام پر دینی وقار کو قائم رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے قوانین شریعت اور تدابیر مملکت سے ان سیاست دانوں اور حکمرانوں کو خبر دار کرتے رہتے۔ ❶

تجزیہ

اولاً: جمہور علماء دیوبند کا موقف

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ چونکہ علماء کی عملی سیاست کے مخالف تھے اس لئے خود وہ بھی اور عموماً ان کے متعلقین بھی عملی سیاست سے کنارہ کش ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عملی سیاست علماء ہی کا منصب ہے اور جمہور علمائے دیوبند نہ صرف اس کے قائل ہیں، بلکہ انہوں نے ہمیشہ عملی سیاست میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے۔

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جمعیت علماء ہند کے تاسیسی اجلاس میں علماء کو اقتصادی اور سیاسی میدان میں اجتماعی طور پر حصہ لینے پر زور دیا اور فرمایا کہ علماء کے لئے اقتصادیات اور شخصیات کی اصلاح کے وسیع میدان کھلے ہوئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں کہ اقتصادیات اور شخصیات کی اصلاح کرنے میں علماء کی انفرادی حیثیت ہی مفید ہو اور انعقاد جمعیت اور اجتماعی طور پر کام کرنا اس میں خلل انداز ہو، بلکہ میں کہتا ہوں کہ انفرادی حیثیت کے اعتبار سے جمعیت علماء کی متفقہ طاقت زیادہ اصلاح کر سکتی ہے۔ اس

---

❶ سوانح و تعلیمات حضرت عارفیؒ، سید ریاض الدین، ص ۱۲۳، ۱۲۴، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۱ء

طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ اقتصادیات وشخصیات کی اصلاح تو علماء کا فرض ہو اور سیاست سے علیحدہ رہنے کی انہیں ہدایت کی جائے، اور سیاسیات کو مذہبی دائرہ سے خارج سمجھ کر ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو مذہبی معلومات پر چنداں عبور نہیں رکھتے،،۔ ❶

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے دین کے جامع تصور لوگوں کے سامنے رکھا، اور خانقاہوں اور مدارس سے کھینچ کر لوگوں کو میدان عمل میں لانے کی زندگی بھر جدوجہد کرتے رہے۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ علم کا نتیجہ رہبانیت نہیں ہے، بلکہ علم کو میدان سیاست میں رہنما ہونا چاہیے، اسی سے اسلام کا مذہب کی حیثیت سے اور مسلمانوں کا ملت کی حیثیت سے وقار قائم رہ سکتا ہے۔ ❷

حضرت مدنیؒ نے ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا: کہ موجودہ نظام سیاست میں علماء کا گامزن ہونا اور اپنی آواز کو موثر بنانا اور موجودہ نظام سیاست میں داخل ہو کر بے دینوں اور غیر مسلموں نیز حکومت وقت کے حملوں سے اسلام کی مدافعت کرنا کس قدر ضروری ہے اور اگر اس وقت نظام سیاست (سارا کا سارا) بے دین لوگوں کے ہاتھ میں چلا جائے تو آئندہ اور کس قدر نقصانات پہنچ سکتے ہیں۔ ❸

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ حضرت سید سلیمان ندویؒ کے قول کے مطابق مذکورہ نظریہ کچھ گوشہ نشین علماء اور خانقاہ نشین صوفیاء کا رہا ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں: ''کہ ایک مدت سے علماء کی گوشہ گیری اور صوفیاء کی خانقاہ نشینی نے عوام کو یہ یقین دلایا ہے کہ قیام سلطنت اور امور سلطنت میں دخل وتدبیر دنیا کا کام ہے جس سے اہل علم اور اہل خانقاہ کو کنارہ کش رہنا چاہئے۔ ❹

❶ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۳۹۵، بیت العلوم لاہور، ط ن ❷ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک سیاسی مطالعہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، ص ۱۰۵، ۱۰۶، مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان، ط۱۹۹۳ء ❸ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۴، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ن ❹ سیرت النبی، شبلی نعمانی متوفی ۱۹۱۴ء، سید سلیمان ندوی متوفی ۱۹۵۳ء، ج ۷ ص ۱۴۲، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۵ء

حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ فرماتے ہیں: کہ تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق مغرب کی لعنت ہے، دینی نصاب حکومت اور درویشی کا جامع ہے، اسلام میں دین دنیا جدا نہیں۔ اسلام کے سب سے پہلے مدرسے میں ۷۰ طلبہ تھے جو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، اس مدرسہ میں صرف مبلغ اور آئمہ مساجد پیدا نہیں کئے جاتے تھے، بلکہ وہاں کے فارغین ایک طرف مبلغ تھے تو دوسری طرف جہاد کے کمان بھی ان کے سپرد کی جاتی تھی۔ چنانچہ جنگ تبوک مین تمام اصحاب صفہ شامل تھے، صرف ایک عبداللہ ذوالبجادینؓ رہ گئے جس نے تمنا کی، پھراسے بھی جنگ پر روانہ کیا گیا۔انہی حضرات نے مسجد کو بھی سنبھالا اور حکومت کو بھی۔ ❶

حضرت مولانا محمد انوارالحسن شیرکوٹیؒ حضرت علامہ شبیراحمد عثمانیؒ کے حالات زندگی پر لکھی ہوئی کتاب میں فرماتے ہیں: بلاتعصب یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ علماء ہی صحیح معنی میں سیاست صالحہ کے اہل ہوسکتے ہیں۔ ❷

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: اس حقیقت پر بھی علماء کی نظر ہر وقت رہنی چاہئے کہ مسلمانوں کی کامل اور صحیح قیادت کے اہل صرف وہ ہوسکتے ہیں، اور مسلمانوں کی متوازن اور متناسب ترقی صرف انھیں کی رہنمائی میں ہوسکتی ہے۔ خلفائے راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور حکومت اس کا بہترین شاہد ہے۔ دین وسیاست کی فصل وتفریق اور اہل دین واہل سیاست کی تقسیم کا جاہلی نظریہ اور علماء کی سیاسی ودنیاوی نااہلیت کا خیال مسیحی ذہنی ورثہ کے علاوہ مخالف دین جماعتوں اوراشخاص کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ ہے۔ ❸

جہاں تک یہ بات ہے کہ فقہاء نے بستی میں موجود عالم کو جہاد میں جانے سے روکا ہے

❶ مقالات افغانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مرتب عبدالغنی، ج۲ص ۳٦۰، مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور، ط ن

❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوارالحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷٦ء، ص ۵۵۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط۱۴۲۷ھ ❸ مدارس اسلامیہ اہمیت وضرورت اور مقاصد، مولانا سید ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، مرتب مولانا عبدالہادی اعظمی ندوی، ص ۲۸، مکتبہ سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی، ط۲۰۱۲ء

وہ تو صرف اس وقت ہے کہ جب اس بستی میں ایک ہی عالم ہو لیکن جہاں علماء ایک سے زیادہ ہوں تو پھر فقہاء ان کو جہاد سے روکنے کے قائل نہیں۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج کی تاریخ تک کتنے علماء نے جہاد میں حصہ لیا اور شہادت سے بھی سرفراز ہوئے۔

ثانیاً: تھانوی حضرات کا عمل

۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک علماء کی سیاسی جماعت صرف ایک جماعت تھی یعنی جمعیت علماء ہند، جس کا فارمولا متحدہ قومیت کا تھا۔ یہ متحدہ ہندوستان کی حامی جماعت تھی، اس کے مقابلے میں جب دوسرے بعض علماء تقسیم کے حامی نظر آئے تو انہوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے انتقال اور رحلت کے چند سال بعد دوسرے نام سے سیاسی جماعت قائم کرنے کی کوشش کی، اور بالآخر مولانا راغب احسن صاحبؒ کی کوششوں سے ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے علماء کی ایک دوسری سیاسی جماعت وجود میں آئی۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت علماء اسلام کی صدارت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو اس کانفرنس میں شریک نہیں تھے، کو تفویض کی جائے۔ حضرت عثمانیؒ نے ابتداء میں صدارت قبول کرنے سے عذر کیا لیکن علماء کے اصرار پر دسمبر ۱۹۴۵ء میں منصب صدارت کو قبول فرمایا، اور یہاں سے جمعیت علماء اسلام کا سفر شروع ہو گیا۔ ❶

تو جمعیت علماء اسلام کے سب سے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سب سے پہلے ناظم اعلیٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رہے ہیں۔ ❷

اور اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس جماعت کے پلیٹ فارم سے سیاسی قیادت کرتے ہوئے تحریک پاکستان، آئین پاکستان اور سرحد ریفرنڈم وغیرہ کے لئے

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۰، ۵۶۱، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن، کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۶۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ ❷ اکابر علماء دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۲۱۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۹۹ء

عملاً سیاست میں بھر پور حصہ لیا۔اب مشکل یہ پیدا ہوا کہ حضرت مفتی محمد شفیعؒ تو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ تھے، جن کا موقف یہ تھا کہ علماء عملی سیاست نہ کریں، جب مفتی صاحبؒ نے جمعیت علماء اسلام کے ناظم عمومی کی حیثیت سے کردار ادا کرنا اور سیاست میں عملاً حصہ لینا چاہا جو بظاہر حکیم الامتؒ کی رائے کی مخالفت تھی، تو حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی مذکورہ رائے سے مؤدبانہ الفاظ میں اختلاف کیا اور فرمایا: اہل حق کو سیاست کے لئے نہیں بلکہ دفاع عن الحق کے لئے اس میدان میں آنا چاہیے، اور مقدور بھر اسلام کا دفاع کرنا میں فرض عین سمجھتا ہوں، اور یقین ہے کہ اگر آج حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ اس عالم میں تشریف فرما ہوتے تو اہل قدرت کو ہرگز اس وقت کی سیاست سے علیحدگی کا مشورہ نہ دیتے بلکہ شرکت کی ترغیب دیتے۔ ❶

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنے والد محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک دور میں سیاست میں سرگرم ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں: ۱۹۵۸ء تک تو حضرت والد صاحبؒ ملکی سیاست میں سرگرمی سے دلچسپی لیتے رہے، اور دینی ضرورت کے مطابق سیاسی دوروں، تقریروں، اخباری بیانات اور حکام سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا، اس زمانے تک آپ ان تمام سیاسی معاملات پر نظر رکھتے جو ملک لے دینی مستقبل پر اثر انداز ہو سکتے تھے، اور پھر ان کے بارے میں مختلف زاویوں سے کوشش بھی فرماتے، لیکن ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد آپ نے سیاسی جدوجہد کو بہت مختصر کر کے زیادہ توجہ تعلیمی اور تصنیفی کاموں پر صرف شروع کر دی، اور ملک کے سیاسی مسائل میں صرف اس وقت کوئی عملی حصہ لیا جب دینی اعتبار سے وہ ناگریز ہو۔ ❷

تو اس کا حاصل یہ ہوا کہ حکیم الامت تھانویؒ کے مذکورہ موقف کو ایک زمانہ میں خود تھانوی حضرات نے منسوخ یا مرجوح سمجھ کر اس کے خلاف کیا، کہ نہ صرف عملی سیاست میں

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷٦ء، ملکی سیاست اور علماء، ج۲ص ٦۴، ٦۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۲۰۱۳

❷ میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق، مفتی محمد عثمانی، ص۱۵۲، ۱۲٦، ادارۃ المعارف کراچی

حصہ لیا، بلکہ ایک سیاسی جماعت کو قائم کر کے اس کی سیاسی قیادت کی ہے۔لیکن اب اس موجودہ دور میں تھانوی حضرات نے ایک بار پھر اس مرجوح اور متروک قول اور موقف کو اپنایا، اس لئے انہوں نے عملی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی ہے۔

۴......علماء کے لئے سیاسی تجربہ اور مناسبت لازم نہیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ انبیاء کرام اور علماء کے لئے سیاسی تجربہ اور مناسبت کے لازم ہونے کے قائل نہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک نبی موجود تھے اور پھر بھی بنی اسرائیل نے ان سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی کہ ''**اذ قالوا لنبی لھم ابعث لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ**''۔(البقرۃ:۲۴۶۔)

چنانچہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی کے موجود ہونے کے ان نبی سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنئے بلکہ اس مقصد کے لئے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی۔سو اگر نبی کافی سمجھے جاتے اور نبی کا سیاسی قائد ہونا ضروری ہوتا تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی۔اور اگر یہ شبہ ہو کہ یہ بنی اسرائیل کی غلطی تھی، تو اس غلطی پر ان کے نبی نے تنبیہ کیوں نہ فرمائی کہ میں کافی ہوں، بلکہ بادشاہ مقرر کرنے کا انتظام شروع کر دیا...اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہر نبی کے لئے بھی سیاست میں تجربہ ومناسبت لوازم میں سے نہیں، چہ جائے کہ علماء ومشائخ کے لئے لازم ہو۔❶

تجزیہ

اولاً: انبیاء بنی اسرائیل سیاست کرتے تھے

حدیث شریف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی**''❷

❶ البدائع، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ص ۵۶، ۵۷، کتب خانہ جمیلی لاہور، ط ن

❷ صحیح البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری المتوفی ۲۵۶ھ، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ج ۴ ص ۱۶۹، دار طوق النجاۃ، ط ۱۴۲۲ھ

کہ بنی اسرائیل کے انبیاء یکے بعد دیگر بنی اسرائیل کے سیاسی قائد ہوا کرتے تھے۔

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ حسن سیاست کو فرائض نبوت میں سے شمار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''منصب نبوت کے فرائض میں سے عادلانہ اور احسن سیاست اور قوم کی سیاسی رہنمائی بھی اہم فریضہ ہے۔

المرتبة الرابعة معصية الشرائع والمناهج المختلفة باختلاف الاسم والأمصار ،وذلک أن الله تعالى اذا بعث نبيا الى قوم ليخرجهم من الظلمات الى النور ،وليقيم عوجهم ويسوسهم أحسن السياسة كان بعثة مقتضيا لا يجاب ما لا يمكن اقامة عوجهم وسياستهم الا به . ❶

انبیاء کرام کی سیرت اور فرائض منصبی ان امور کو بیان کرنا ہے جن کا تعلق انسان کی تربیت اور امت کی سیاست سے ہے، ان کے علاوہ سائنسی مباحث جن کا انسانی تربیت اور سیاست سے تعلق نہیں ایسے امور کا بیان اور تبلیغ انبیاء کرام کے فرائض منصبی میں داخل نہیں۔

ومن سيرتهم الا يشتغلوا بما لا يتعلق بتهذيب النفس و سياسة الامة كبيان حوادث الجو من المصر والكسوف والها لة،وعجائب النبات و الحيوان ومقادير سير الشمس والقمر واسباب الحوادث اليومية. ❷

ثانیاً: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیاست کے ماہر تھے

اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ انبیاء بنی اسرائیل کے لئے سیاسی تجربہ اور مناسبت لازم نہیں تھی، تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تو علم اور سلطنت و سیاست کی دونوں شان جمع تھیں، جیسا کہ خود حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کو ذکر فرمایا ہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں، شان نبوت اور شان سلطنت، اس

❶ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم المتوفی ١١٧٦ھ، باب طبقات الاثم، ج ١ ص ١٤٦، دار الجیل بیروت، ط ١٤٢٦ھ ❷ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم المتوفی ١١٧٦ھ، باب حقیقۃ النبوۃ وخواصھا، ج ١ ص ١٥٨، دار الجیل بیروت، ط ١٤٢٦ھ

کے بعد خلفائے راشدین بھی دونوں کے جامع تھے۔ ❶

تو ہمیں انبیاء بنی اسرائیل کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اپنانے کی ضرورت ہے اور وہ نبوت کے ساتھ سلطنت اور سیاسی قیادت کے بھی جامع تھے۔

امام غزالیؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست کے متعلق فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے اسی طرح باوجود یتیم ہونے کے آپ سیرت فاضلہ کے بھی مالک تھے، اور ساتھ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیاست پر اچھی طرح عبور حاصل تھا۔

قد جمع الله تعالى له السيرة الفاضلة والسياسة التامة وهو امى لا يقرأ ولا يكتب نشأ فى بلاد الجهل والصحارى فى فقره وفى رعاية الغنم يتيما لا اب له ولا ام ،فعلّمه تعالى جميع محاسن الاخلاق والطرق . ❷

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقل، علم اور سیاست میں سب سے بڑھ کر تھے۔ قرآن کی دعوت کو لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے لوگوں تک اس کو پہنچانے اور تبلیغ ودعوت کا حکم دیا۔

انه كان من اعظم الناس عقلا وسياسة وخبرة ،وكان مقصوده دعوة الخلق الى طاعته واتباعه ،وكان يقرأ القرآن على جميع الناس ،ويأمر بتبليغه الى جميع الامم . ❸

اور آگے فرمایا: ’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بڑے سیاستدان تھے، ان کی بڑی چاہت

❶ اصلاح المسلمین، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ص ۱۷۸، ۱۷۹، ادارہ اسلامیات لاہور، ط۱۹۸۲ء ❷ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ، کتاب آداب المعیشۃ واخلاق النبوۃ، ج۲ص ۳۶۴، دار المعرفۃ بیروت، ط ن ❸ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ابن تیمیۃ احمد بن عبد الحلیم المتوفی ۷۲۸ھ، فصل شبھات النصاری علی رسالۃ النبی والرد علیھا، ج۱ص۳۷۴، دار العاصمۃ السعودیۃ، ط۱۴۱۹ھ

تھی کہ لوگ ان کی اطاعت واتباع کریں، اوراس کے لئے آپ نے لوگوں کے سامنے معجزات مثلاً شق قمر کا بھی ذکر کیا‘‘۔

فمعلوم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم کان من اخرص الخلق علی تصدیق الناس لہ واتباعھم ایاہ ،مع انہ کان اخبر الناس بسیاسۃ الخلق ،فلو لم یکن القمر انشق لما کان یخبر بھذا. ❶

مزید فرماتے ہیں: دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی سیاستدان پیدا نہیں ہوا، یعنی سیاست میں وہ لاثانی تھے۔

مع اتفاق الامم المؤمن بمحمد والکافر بہ علی کمال عقلہ ومعرفتہ وخبرتہ اذ ساس العالم سیاسۃ لم یسسھم احد بمثلھا. ❷

اورامام الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: سیاستدان ہونے کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لازم تھا کہ ان کے دین وشریعت سے تمام شرائع منسوخ ہوں اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم جوآخری نبی ہیں ان کا دین وشریعت تحریف وغیرہ سے محفوظ ہو۔

لا بد لصاحب السیاسۃ الکبری الذی یأتی من اللہ بدین ینسخ الادیان من ان یحکم دینہ من ان یتطرف الیہ تحریف. ❸

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں سے یہ بات بھی ہے کہ انہوں نے تدبیرمنزل، صحابہ کی رعایت واصلاح کی، اورساتھ ساتھ ملکی سیاست کی اصلاح کا فریضہ بھی اعلی اور کامل درجہ پر سرانجام دیا۔

❶ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ،ابن تیمیۃ احمد بن عبدالحلیم المتوفی ۷۲۸ھ، فصل: معجزات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، ج ۱ص ۴۱۹، دار العاصمۃ السعودیۃ، ط ۱۴۱۹ھ ❷ الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ،ابن تیمیۃ احمد بن عبد الحلیم المتوفی ۷۲۸ھ، فصل: جلاء آیات النبوۃ وتنوعھا وکثرتھا ،ج ۵ ص ۴۰۹، دار العاصمۃ السعودیۃ، ط ۱۴۱۹ھ ❸ حجۃ اللہ البالغۃ ،شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم المتوفی ۱۱۷۶ھ، باب احکام الدین من التحریف، ج ۱ص ۲۱۰، دارالجیل بیروت، ط ۱۴۲۶ھ

وكان الزمهم باصلاح تدبير المنزل ورعاية الاصحاب وسياسة المدينة بحيث لا يتصور فوقه يعرف لكل شئ قدره. ❶

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جامعیت اور دین کے شعبوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایمانی سے عقائد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا فنی اور اصلاحی نام علم کلام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فقہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت احسانی سے تزکیہ نفس اور تکمیل اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام تصوف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعلاء کلمۃ اللہ سے سیاست و جہاد کا شعبہ پیدا ہوا جس کا عنوانی لقب امارت وخلافت ہے"۔ ❷

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا: جن اقوام کو دیانت اور سیاست دونوں دی گئیں جیسے بنی اسرائیل وہاں بھی اتنی تفریق عموماً دیکھی جاتی ہے کہ انبیاء کا سلسلہ الگ ہے اور سلاطین کا الگ، شاذ و نادر ہی ایک آدھ جمع ہوا ہے مگر مقصودیت دیانات کی شان وہاں بھی نمایاں رکھی گئی، کہ دیانات کا حکم نبی کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کی تنقید سلاطین اور امراء عدل کے ہاتھ سے۔ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں یہ دونوں شانیں لاکر جمع کر دی گئیں۔ آپؐ بیک وقت خلیفۃ اللہ فی الارض بھی تھے اور مربی دین عالم بھی۔ ❸

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استدلال کا مناقشہ

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ بنی اسرائیل نے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست تھی۔

❶ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم المتوفی ١١٧٦ھ، سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ٢ ص ٣١٧، دار الجیل بیروت، ط ١٤٢٦ھ ❷ علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، قاری محمد طیب متوفی ١٤٠٣ھ، ص ١٠٨، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ١٩٨٨ء ❸ خطبات حکیم الاسلام، قاری محمد طیب متوفی ١٤٠٣ھ، مذہب اور سیاست، ج ٥ ص ٤٦٠، ٤٦١، ادارہ اسلامیات لاہور، ١٩٩٨ء

اولاً: نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کے مطالبہ کی وجوہات

تو اولاً ہم کہتے ہیں: کہ مفسرین حضرات نے اس درخواست کی مختلف وجوہات ذکر فرمائی ہیں۔ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ قوم تصدیق کے لئے اس نبی سے اس کی نبوت پر کسی خاص دلیل اور علامت پیش کرنے کا مطالبہ کرتی تھی،تو بادشاہ مقرر کرنا اور پھر اس کی بعض خصوصیات کا ظاہر ہونا اس نبی کی طرف سے اس کی نبوت کی نشانی اور علامت تھی۔جبکہ بعض مفسرین کے بقول یہاں ملک سے مراد بادشاہ نہیں ہے، بلکہ امیر لشکر و امیر سفر مراد ہے۔

وقالوا: ان كنت نبيا صادقا فابعث لنا ملكا نقاتل فى سبيل الله آية من نبوتک. ❶

"ابعث لنا ملكا" انهض للقتال معنا اميرا نصدر فى تدبير الحرب عن رأيه وننتهي الى أمره، طلبوا من نبيهم نحو ماكان يفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم من التامير على الجيوش التى كان يجهزها، ومن أمرهم بطاعته وامتثال أوامره. وروى انه امر الناس اذا سافروا ان يجعلوا اميرا عليهم. ❷

ثانیاً: حضرت داود علیہ السلام کی بادشاہت اور قیادت

اور ثانیاً یہ کہتے ہیں: کہ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کریم میں مذکورہ آیت سے چند آیاتوں کے بعد داود علیہ السلام کے حال کا ذکر ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے۔اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"و آتاه الله الملک والحكمة وعلمه مما يشاء". (البقرة : ٢٥١.)

استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام

---

❶ جامع البیان فی تاویل القرآن (تفسیر الطبری)، محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ، ج ۵ ص ۲۹۹، مؤسسۃ الرسالۃ، ط ۲۰۰۰ء ❷ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، ابو القاسم محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ، ج ۱ ص ۲۹۱، دار الکتاب العربی بیروت، ط ن

کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری بھی عطا فرمائی اور بادشاہت بھی عطا فرمائی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام بھی بادشاہ بنے۔ [1]

ثالثاً: حضرت طالوت کا عالم اور بادشاہ ہونا

اور ثالثاً یہ کہتے ہیں: کہ اس سے یہ استدلال کرنا ''کہ علماء و مشائخ کے لئے سیاسی مناسبت لازم نہیں'' شاید درست نہ ہو، کیونکہ ان کے جو بادشاہ مقرر ہوئے وہ حضرت طالوت تھے، ان کے نبی ہونے میں تو اختلاف ہے، لیکن ان کے عالم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، ان کا بڑا عالم ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں ''**وزاده بسطة فى العلم والجسم**''۔ (البقرة: ٢٤٧۔) کہ وہ علم اور جسم کے اعتبار سے کامل تھے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت اور سیاست کے لئے علم ضروری ہے، کہ جب بنی اسرائیل نے اپنے زمانے کے نبی سے کسی ایک کو بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، تو اس کے جواب میں نبی نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت تمھارے لئے بادشاہ مقرر ہوئے ہیں۔ اور پھر حضرت طالوت کے بادشاہ بنانے کے خصوصی اوصاف میں سے ایک خاص بنیادی وصف ان کا عالم ہونا بتایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سیاست علماء ہی کا کام اور منصب ہے۔

۵......علماء کا فن سیاست سے واقف نہ ہونا نقص نہیں

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا پانچواں سیاسی تفرد یہ ہے کہ ان کے نزدیک علماء کا فن سیاست سے واقف نہ ہونا نقص نہیں ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے علوم اولین وآخرین کے جاننے والے کے لئے فن باغبانی کے مسئلہ تابیر سے واقف ہونا لازم نہیں، پھر غضب ہے کہ نبی کا فنون سے واقف نہ ہونا کوئی

[1] اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۵۴، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰ء

نقص نہ ہواور ایک مولوی بیچارہ اگر فن سیاست نہ جانتا ہوتو اس کا یہ نقص سمجھا جائے اور اسکو ملامت کا نشانہ بنایا جائے۔ ❶

تجزیہ

سیاست کے دو حصے ہیں ایک حصہ سیاست کا تجرباتی تدبیریں ہیں، جو ہر زمانہ میں حالات اور واقعات کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں، یہ حصہ اگر چہ شریعت کا باقاعدہ جز نہیں اور سب علماء کا اس میں ماہر ہونا بھی ضروری نہیں، لیکن یہ حصہ بھی بالکل شریعت سے بے نیاز نہیں۔اس لئے کم از کم کچھ علماء کا اس میں ماہر ہونا درکار ہے، اور دوسرا حصہ سیاست کے شرعی احکام کا، یہ بے شک شریعت کا جز ہے اور علماء کا اس کا علم اور اس سے واقف ہونا ضروری ہے، اس اعتبار سے سیاست شریعت کا جز ہے۔

اولاً: عالم کے لئے سیاست کا علم ضروری ہونے کے متعلق سلف کے اقوال

علامہ راغب اصفہانی ؒ کے بقول: مفسر اور فقیہ کے لئے سیاست عادلہ اور آداب سیاست سے واقف ہونا ضروری ہے۔

والثامن :أحكام الدين و آدابه،و آداب السياسات الثلاث التي هي سياسة النفس. والاقارب و الرعية،مع التمسک بالعدا لة التي فيها، وهو علم الفقه والزهد. ❷

امام غزالی ؒ کے بقول: فقیہ وہی ہے جو قانون سیاست اور عدل و انصاف کے طریقوں سے باخبر ہو، فقیہ بادشاہ وغیرہ کے لئے رہنما ہوتا ہے۔

فالفقيه هو العالم بقانون السياسية وطريق التوسط اذا تنازعوا بحكم الشهوات فكان الفقيه معلم السلطان ومرشده الى طريق سياسة الخلق

❶ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۳۱، ج ۱۰ ص ۲۱۹، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۳ھ ❷ تفسیر الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد الراغب الاصفہانی المتوفی ۵۰۲ھ، المقدمۃ، فصل فی بیان الآلات التی یحتاج الیھا المفسر، ج ۱ ص ۳۹، دار الوطن الریاض، ط ۱۴۲۴ھ

وضبطهم لينتظم باستقامتهم أمورهم في الدنيا. ❶

اور دنیاوی ضروریات روٹی، کپڑا اور مکان فراہم کرنا حکومت اور سلطان کی ذمہ داری ہے، اور عادلانہ سیاست کے قوانین کا علم فقیہ کی ذمہ داری ہے۔

وسلامة البدن بالاجتماع والتظاهر والتعاون الذي يتوصل الى الملبس والمطعم والمسكن وهو منوط بالسلطان، وقانونه في ضبط الناس على منهج العدل والسياسةفي ناصية الفقيه. ❷

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جمعیت علماء ہند کے تاسیسی اجلاس میں علماء کو اقتصادی اور سیاسی میدان میں اجتماعی طور پر حصہ لینے پر زور دیا اور فرمایا: کہ علماء کے لئے اقتصادیات اور شخصیات کی اصلاح کے وسیع میدان کھلے ہوئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں کہ اقتصادیات اور شخصیات کی اصلاح کرنے میں علماء کی انفرادی حیثیت ہی مفید ہو اور انعقاد جمعیت اور اجتماعی طور پر کام کرنا اس میں خلل انداز ہو، بلکہ میں کہتا ہوں کہ انفرادی حیثیت کے اعتبار سے جمعیت علماء کی متفقہ طاقت زیادہ اصلاح کرسکتی ہے۔ اس طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ اقتصادیات وشخصیات کی اصلاح تو علماء کا فرض ہو اور سیاست سے علیحدہ رہنے کی انہیں ہدایت کی جائے، اور سیاسیات کو مذہبی دائرہ سے خارج سمجھ کر ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جائے جو مذہبی معلومات پر چنداں عبور نہیں رکھتے۔ ❸

علم فقہ بڑا وسیع علم ہے عبادات سے لے کر سیاست ومعیشت کو بھی شامل ہے علامہ مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں: بیچاری عوام جو فقہ کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اس میں کچھ نماز، روزہ، حج، زکوۃ جیسے ابواب ہی کے صرف مسائل بیان کئے گئے...ان کو کیا معلوم کہ آج

❶ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ، کتاب العلم، بیان العلم الذی ھو فرض کفایۃ، ج ۱ ص ۱۷، دار المعرفۃ بیروت، ط ن ❷ احیاء علوم الدین، ابو حامد محمد بن محمد الغزالی المتوفی ۵۰۵ھ، الباب الخامس فی آداب المتعلم والمعلم، ج ۱ ص ۵۴، دار المعرفۃ بیروت، ط ن ❸ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۳۹۵، بیت العلوم لاہور، ط ن

دنیا کے بڑے بڑے مستقل فنون مثلاً معاشیات، سیاسیات ومنزلیات وغیرہ وغیرہ ان سارے علوم کو فقہاء اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے،،۔

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: فقہ ایک ایسا دینی علم ہے جس میں حذاقت ومہارت اس وقت تک نہیں حاصل ہوسکتی جب تک دین کے ساتھ دنیا اور معاد کے ساتھ معاش کے سمجھنے اور برتنے کا بھی سلیقہ آدمی میں نہ ہو۔ ❶

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ فرماتے ہیں: دہریت اور لادینی کے اس طوفانی دور میں مذہبی طبقہ ہندوستانی سیاست کا ایسا عنصر بن گیا جس کو کسی وقت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ❷

کام کرنے کے پانچ بڑے میدان ہیں: ایک جدید فلسفہ کی سمت سے آنے والے مسائل ہیں، دوسرے معاشی مسائل، تیسرے سیاسی مسائل، طب کے شرعی اور فقہی مسائل اور قانونی وعدالتی مسائل، ان پانچوں میدانوں میں علماء کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر ان پانچ میدانوں میں دو میدان خصوصی طور پر زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، ایک تو معیشت کا میدان اور دوسرا سیاست کا میدان۔ ❸

بہرحال سیاست کو جب دین وشریعت کا شعبہ تسلیم کیا گیا تو پھر علماء کے لئے اس سے واقفیت اور اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک باغبانی اور تابیر کا مسئلہ ہے وہ خالص فنی اور دنیاوی مسئلہ ہے اس لئے اس کا علم ہونا نبی یا عالم کے لئے لازم نہیں۔

۶......تحریک ترک موالات کی مخالفت

ہندوستان میں انگریز حکومت کے خلاف ۱۹۲۰ء میں علماء اور دوسرے لیڈران قوم نے ایک تحریک ترک موالات کے نام سے چلائی جس کا مطلب تھا کہ انگریزوں کے ساتھ

❶ امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، مولانا مناظر احسن گیلانی متوفی ۱۹۵۶ء، ص ۲۶۹، ۳۵۵، مکتبۃ الحق بمبئی، ط ن ❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۷۳، جمعیت پبلکیشنز لاہور، ط ن ❸ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۵، ۸، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰ء

تعاون اعتقاداً وعملاً ترک کردیں جس کی صورت یہ ہوگی کہ (الف) ہر صادق اور غیرت مند مسلمان سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کردے، (ب) ملک کی کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کردے، (ج) صرف اپنی ملکی اشیاء اور مصنوعات کا استعمال کرے، (د) سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔ترک موالات کی مذکورہ عبارت حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمود الحسنؒ کے دستخط سے جاری ہوئی اور پھر پانچ سو علماء کے متفقہ دستخطوں سے فتوی کی صورت میں شائع ہوئی۔ ❶

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ترک موالات اور عدم تعاون کو ممنوع اور فتنہ قرار دیا ہے۔ ❷

تجزیہ

اولاً: عدم موالات کا فائدہ

اس مسئلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ دوسرے علماء سے الگ تھلگ رائے رکھتے تھے، حالاں کہ ایسے اوقات میں عدم تعاون اور مصنوعات سے بائیکاٹ دشمن کے لئے زہر قاتل کا درجہ میں ہے۔کچھ عرصہ پہلے جب یورپ میں نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ خاکے شائع ہوئے تو مزار قائد کے پاس تنظیم ختم نبوت والوں کے زیر اہتمام جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں کئی اکابرین نے خطاب فرمایا تھا۔شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطاب میں اس پر بڑا زور دیا کہ جن ممالک کی سرپرستی میں یہ خاکے شائع ہوئے ہیں ان کی چیزوں، اشیاء اور مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، یہ بائیکاٹ کرنا ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے اور اس سے دشمن کو معاشی طور پر بڑا نقصان ہوسکتا ہے۔لہذا اس طرح بائیکاٹ اور ترک موالات اور عدم تعاون میں فی نفسہ اگرچہ بظاہر حرمت کی کوئی علت نہ بھی ہو تب بھی

❶ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷، ج ۲ ص ۶۷۵، دارالاشاعت کراچی، ط ن ❷ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۲۳۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۲۰۱۳

حالات کے تقاضا کی وجہ سے تعاون اور موالات کو ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔

ثانیاً: عدم موالات کا فتوی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا تحریر کردہ تھا

حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء اور ہمنوا نے اس وقت ترک موالات کا جو فتوی دیا تھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی تحریک ترک موالات کے سخت حامی تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے انھوں نے ترک موالات کا فتوی مرتب کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کو ان کا لکھا ہوا فتوی بہت پسند آیا اور فرمایا کہ میں اگر لکھتا تو وہ بھی اس کے قریب ہوتا جو شبیر (علامہ شبیر احمد عثمانی) نے لکھا۔ ❶

حضرت حکیم الامت تھانویؒ ترک موالات کے مخالف تھے، اس لئے ان کے ایک بھائی اس وقت انگریز کی حکومت میں سی، آئی، ڈی (محکمہ خفیہ پولیس) میں افسر تھے، جن پر تحریک ریشمی رومال افشاء اور مخبری کرنے کا شبہ تھا، جس کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ گرفتار ہو کر مالٹا میں قید ہوئے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ یک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کو مالٹا میں قید کرایا تھا، وہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور محبین میں سے تھے، البتہ تحریک آزادی ہند میں ان کی رائے خلاف تھی، نہ انہوں نے کوئی مخبری کی، اور نہ ان کو انگریزوں سے اس قسم کے تعلقات رکھنے کی نوبت آئی۔ ہاں! مولانا مرحوم کے بھائی محکمہ سی آئی ڈی میں بڑے عہدے دار اخیر تک رہے، ان کا نام مظہر علی تھا، انہوں نے کچھ کچھ کیا ہو تو مستبعد نہیں ہے۔ ❷

۷......تحریک خلافت کی مخالفت

۲۰،۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں ایک تحریک ''تحریک خلافت،، کے نام سے چلی جس کا مقصد تھا ترکی میں خلافت عثمانی کے استحکام اور اس کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں منظّم

❶ حیات عثمانی، پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص۳۰۳، ۳۰۴، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط۱۹۸۸ء ❷ انار کے درخت تلے، مولانا مفتی محمد منصور احمد، ص۸۴، ۸۵، مکتبۃ الشہداء کراچی، ط۱۴۳۰ھ

کوشش کرنا۔اس طرح انگریز کا ترکی میں جنگ مسلط کر دینے اور خلافت عثمانی کے خلاف غیر مسلم کو بھڑکا دینے اور بغاوت پھیلانے کے خلاف منظّم اعمال انجام دینے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا،اسی کا نام تحریک خلافت ہے۔ ❶

تجزیہ:تقریباً تمام اکابر علماء دیوبند تحریک خلافت کے حامی

اس تحریک کو شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ اور ہندوستان کے دوسرے علماء کی تائیداور سر پرستی حاصل تھی لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے مخالف تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول ’’ زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے رائے میں (حضرت حکیم الامت کی) مخالفت کی ،اور پورے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام حضرت والا سے رائے کا اختلاف رکھتے تھے۔ ❷

خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی تحریک خلافت کے حامی تھے اس وقت آپ کی نو عمری کا زمانہ تھا،اور آپ کو حضرت شیخ الہندؒ سے خصوصی تعلق تھا،اس لئے انہی کی سر پرستی میں انہی کے ایک معتقد و منتسب کی حیثیت سے آپ نے اس تحریک میں کام کیا۔ ❸

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس تحریک خلافت میں فعال کردار ادا کیا تھا۔حضرت عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان کی حیثیت سے ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا اور بلند پایہ تقریریں کیں۔خلافت کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے اور تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہندؒ اور علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے رہے۔ ❹

اس سے معلوم اور واضح ہوا کہ اس مسئلے میں جمہور علماء ایک طرف تھے،اور حضرت حکیم الامتؒ اکیلے اور متفرد تھے۔

---

❶ علماء میدان سیاست میں،حکیم محمود احمد ظفر،ص ۴۰۳،بیت العلوم لاہور،ط ن ❷ مجالس مفتی اعظم ،مفتی عبد الروف سکھروی،ص ۵۳۳،ادارۃ المعارف کراچی،ط ۱۹۹۹ء ❸ میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق،مفتی محمد عثمانی،ص ۱۱۷،ادارۃ المعارف کراچی ❹ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)،محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء،ص ۵۸۹...۵۹۲،دارہ تالیفات اشرفیہ ملتان،ط ۱۴۲۷ھ

۸......جیل جانے وغیرہ کو غیر شرعی امر سمجھنا

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کفار کے غلبے اور ان سے مقابلے کرنے کے لئے دو صورتوں کے قائل تھے۔ایک یہ کہ قدرت کی صورت میں جہاد و مقابلہ کیا جائے، اور دوسری صورت عدم قدرت کے وقت صبر کرنا۔ ان کے علاوہ جیل جانے وغیرہ کی تحریکات کو خودکشی کے مترادف اور غیر شرعیہ سمجھتے تھے چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں ہے نہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہے، اور نہ آجکل کی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں، سب دوسری قوموں کی تقلید ہے... جھتوں کا جیل میں جانا پٹنا، بھوک ہڑتال وغیرہ خودکشی کے مراداف ہے، اور اگر خودکشی سے کسی کو فائدہ پہنچے تب بھی باوجود موجب فوائد ہونے کے جائز نہیں ہے۔ ❶

تجزیہ

اولاً: دینی فریضہ کے لئے جیل جانا ثواب ہے

امام رازیؒ نے فرمایا: کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جیل کی زندگی اختیار کرنا باعث سعادت اور ثواب تھا.

السوال الاول: السجن فی غایة المکروهة وما دعونه الیه فی غایة المطلوبیة، فکیف قال: المشقة احب الی من اللذة؟ والجواب ان تلک اللذة تستعقب آلاما عظیما، وهی الذم فی الدنیا والعقاب فی الآخرة، وذلک المکروه وهو اختیار السجن کان یستعقب سعادات عظیمة، وهی المدح فی الدنیا والثواب فی الآخرة، فلهذا السبب قال: السجن احب الی مما یدعوننی الیه. ❷

❶ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۱۶، ج ۱ ص ۱۰۳...۱۰۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۳ھ ❷ التفسیر الکبیر، محمد بن عمر فخر الدین الرازی المتوفی ۶۰۶ھ، ج ۱۸، ص ۴۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط ۱۴۲۰ھ

ثانیاً: بہت سے اسلاف اور اکابر کا جیل میں اسیری کی زندگی گزارنا

اگر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس مؤقف کو اپنایا جائے تو پھر تحریکات کے نتیجے میں ہمارے اکابر کو جو جیل جانا پڑا ہے وہ بیکار اور لغو سمجھا جائے گا۔ انگریز کے دور میں ہمارے بہت سے اکابر کو کالا پانی اور دوسرے جیلوں میں قید کرنے کے واقعات اور داستانوں کا ایک تاریخی باب ہے۔ اسی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو اپنے رفقاء کے ساتھ مالٹا میں، حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کو ہندوستان میں جیل جانا پڑا ہے اور حکومت کی حراست میں بھی رہے ہیں، اسی طرح تحریک ختم نبوت میں جتنے اکابرین نے جیلوں میں زندگیاں گزاری ہیں، مذکورہ قول اور موقف کے نتیجے میں ان کی یہ جدوجہد پھر غیر شرعی بن جائے گی۔ اس طرح ان سے پہلے امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ اور امام ابن تیمیہؒ وغیرہ حضرات کے جیل جانے کے بیشمار واقعات ہیں۔

لطیفہ: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ چونکہ جیل جانے کو غیر شرعی امر سمجھتے تھے اس لئے ان کو اور ان کے متعلقین کو جیل کی ہوا نہیں پڑی ہے۔ ایک دفعہ ایک نوجوان آئے اور مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سے کہنے لگے کہ میرے والد صاحب بہت سخت ہیں وہ مجھے اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کرتے ہیں، حضرت مفتی صاحبؒ نے پوچھا کہ وہ کس کے مرید ہیں، نوجوان نے کہا حضرت تھانوی صاحبؒ کے، مفتی صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے ارتجالاً فرمایا: مرید تھانوی ہیں اس لئے تھانے سے ڈرتے ہیں۔ ❶

۹...... جمہوری طرز کی حکومتوں میں عورت کی سربراہی کے جواز کا قائل ہونا

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اس بارے میں سوال کیا گیا، سوال

❶ تذکار محمود رحمہ اللہ، محمد فاروق قریشی، ص ۲۵۶، مفتی محمود اکیڈمی پاکستان کراچی، ط ۲۰۰۵ء

اوران کا جواب دونوں پیش خدمت ہیں: سوال: بخاری شریف میں حدیث ہے ''لـــن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة '' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا والی وحاکم ہونا موجب عدم فلاح ہے تو کیا جن ریاستوں پر عورتیں حکمراں ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

الجواب: حکومت کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ جو تمام بھی ہو عام بھی ہو، تام سے مراد یہ کہ حاکم بانفرادہ خود مختار ہو یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں حاکم اعلیٰ کی منظوری کی ضرورت نہ ہو، گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو، اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود قلیل جماعت نہ ہو، دوسری قسم وہ جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو، تیسری قسم وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو، مثال اول کی کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرز مذکورہ شخصی ہو، مثال ثانی کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلاشرکت ہو، مثال ثالث کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں، بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے۔ چنانچہ سبب ورود اس حدیث کا اہل فارس نے دختر کسریٰ کو بادشاہ بنایا تھا اور لفظ ولــوا میں تولیت کے اطلاق سے متبادر اس کا کمال مفہوم ہونا، پھر اس کی اسناد قوم کی طرف ہونا یہ سب اس کا قرینہ ہے، کیونکہ یہ طریقت تولیت کاملہ کا سلطان ہی بنانے کے ساتھ خاص ہے کہ قوم کے اہل حل وعقد باہم متفق ہو کر کسی کو سلطان بنا دیتے ہیں۔ اور سلطان کا کسی کو حکومت دینا یہ بھی بالواسطہ سلطان کے قوم ہی کی طرف مستند ہوگا، بخلاف قسم ثانی کے کہ وہاں گو تولیت کامل ہوتی ہے مگر وہ مستفاد قوم سے حقیقۃ یا حکماً نہیں ہوتی، اور بخلاف قسم ثالث کے کہ وہاں گو اسناد اس کی قوم کی طرف صحیح ہے مگر تولیت کامل نہیں بلکہ وہ مشورہ محضہ ہے گو اس مشورہ کو دوسرے منفرد مشوروں پر ترجیح ہو، لیکن اس میں ولایت کاملہ کی شان نہیں ہے، اور نہ تمام ارکان کے مخالف ہونے کی صورت میں بھی اسی کو سب پر ترجیح ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ قرینہ تو خود الفاظ حدیث سے ماخوذ ہے۔ اب دوسرے دلائل شرعیہ میں جو نظر کی جاتی ہے تو اس کی تفصیل کی تائید ہوتی، حضرت بلقیس کی سلطنت کا قصہ قرآن مجید میں

مذکور ہے اس میں آیت ہے **ما کنت قاطعة امرا حتی تشھدون** ، جس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلطنت کا طرز عمل خواہ ضابطہ سے خواہ بلقیس کی عادۃ مستمرہ سے سلطنت جمہوری کا سا تھا، اور بعد میں ان کے ایمان لے آنے کے کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پس ظاہر حکایت سلطنت

اور عدم حکایت انتزاع سے اسی سلطنت کا بحالہا باقی رہنا ہے، اور تاریخ صراحۃً اس کی مؤید ہے، اور قاعدہ اصولیہ ہے کہ ''اذا قص اللہ ورسولہ علینا امرا من غیر نکیر علیہ فھو حجۃ لنا'' پس قرآن سے ظاہراً ثابت ہو گیا کہ سلطنت جمہوری عورت کی ہو سکتی ہے جو قسم ثالث ہے حکومت کے اقسام ثلاثہ مذکورہ سے، اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورہ پر عمل فرمایا، اور انجام اس کا محمود ہوا۔ اور اگر سلطنت شخصی بھی ہو مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے عمل نہ کرتی ہو تو وہ بھی اس حدیث میں داخل نہیں، کیونکہ علت عدم فلاح کی نقصان عقل ہے اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی، تو معلول یعنی عدم فلاح بھی منفی ہو گیا، جیسے نقصان شہادۃ نساء انضمام شہادۃ رجال سے منجبر ہو جاتا ہے۔ سلطنت بلقیس میں یہ شق بھی محتمل ہے جس کی طرف اوپر اس عبارت میں اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ خواہ بلقیس کی عادت مستمرہ الخ اور حدیث شیخین میں ہے ''فالامام الذی علی الناس راعٍ الی قولہ علیہ السلام والمرأۃ راعیۃ علی زوجھا وولدہ وھی مسؤلۃ عنھم'' لفظ راعیۃ مثل لفظ راعٍ جو اس سے قبل ہے مستعمل ہے معنی حاکمہ میں، اس حدیث سے قسم ثانی کا عورت کے لئے مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے، حضرت فقہاء نے امامت کبری میں ذکورۃ کو شرط صحت اور قضا میں گو شرط صحت نہیں، مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے اور نظارت و وصیت و شہادت میں کسی درجہ میں اس کو شرط نہیں کہا۔ ھکذا فی الدرر المختار باب الامامۃ و کتاب القاضی الی القاضی، قضاء کے اس حکم مذکور قسم اول و ثانی کے احکام کی تصریح ہے، اور قسم ثالث مقیس ہے قسم ثانی پر لاشتراکھما فی کونھما غیر جامعین لوصف الاتمام والعموم۔ جب دلائل بالا سے

ثابت ہوگیا کہ حدیث میں مذکورہ قسم اول ہے تو معلوم ہوگیا کہ ایسی ریاستیں جو آجکل زیر فرماں عورتوں کے ہیں اس حدیث میں داخل نہیں، اس لئے کہ اگر اس کے محکومین کو مختصر قرار دیا جاوے تب تو وہ قسم ثانی ہے، اور اگر اس جماعت کو مختصر نہ قرار دیا جائے جیسا ظاہر بھی ہے تب بھی وہ درحقیقت جمہوری ہیں، یا تو ظاہراً بھی جہاں پارلیمنٹ کا وجود مشاہد ہے، اور یا صرف باطناً جہاں پارلیمنٹ تو نہیں ہے لیکن اکثر احکام میں کسی حاکم بالا سے جو صاحب سلطنت یا نائب سلطنت ہو منظوری لینا پڑتی ہے، پس اس طور سے وہ قسم ثالث ہے، اور اب یہ شبہ نہ رہا کہ ظاہراً یہ رئیسات مثل قاضی کے ہیں اور قاضی عورت کا حکم حدود و قصاص میں نافذ نہیں ہوتا کما صرّح بہ الفقہاء، تو ایسے احکام کے نفاذ کی ان ریاسات میں کوئی صورت صحت کی نہ ہوگی، وجہ دفع شبہ کی ظاہر ہے کہ وہ ریاست اولاتو وہ ولایت جمہوری ہے، اور علی سبیل التنزل یوں کہا جاوے گا کہ چونکہ قضاۃ تو ذکور ہیں اس لئے وہ احکام نافذ ہو جاویں گے، جیسا فقہاء نے قضاۃ منصوبین من السلطان غیر المسلم کے جمیع احکام کو صحیح و نافذ فرمایا ہے۔ بالجملہ تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ یہ ریاستیں عدم فلاح کے حکم سے بری ہیں، واللہ اعلم۔ ❶

جائزہ

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک جمہوری ریاستوں میں عورت کی سربراہی جائز ہے اور عدم فلاح والی روایت میں عورت کی سربراہی داخل نہیں، جبکہ جمہور علماء کے نزدیک جمہوری ریاستوں میں عورت کی سربراہی وحکمرانی جائز نہیں، تو اس مسئلے میں جمہور علماء کے برخلاف موقف اپنانے سے وہ متفرد ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مذکورہ عبارت سے بالکل ظاہراً واضح ہوتا ہے کہ وہ موجودہ جمہوری طرز حکومت کو سلطنت تام اور عام نہیں سمجھتے تھے، اس لئے اس

❶ امداد الفتاوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ج ۵ ص ۹۱...۹۳، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۱۴۱۳ھ

میں عورت کی سربراہی ان کے نزدیک جائز ہے، ہاں عورت کا خلیفہ بننا یا حاکم مختاراورتام بننا ان کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔لیکن بعض حضرات نے ان کی مذکورہ عبارت میں تاویل کرنے کی کوشش کی، جس سے معلوم ہو کہ شرعی طور پر حضرت تھانویؒ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کے قائل تھے، البتہ حضرت تھانویؒ کی رائے میں جمہوری حکومت واقعتاً محض ایک مشورے کے حکم میں ہے اورعورت مشورہ کے اہل ہے اس لئے اس بناء پر جمہوری حکومت میں عورت کی سربراہی عدم فلاح والی روایت میں داخل نہیں۔

اولاً ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ تاویل حضرت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے جواب اور عبارت سے جچتی نہیں ہے، اس لئے کہ ان کی عبارت سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ (الف) جمہوری سلطنت میں سربراہ کی مثال ایک رکن مشورہ کی ہے۔اس لئے جمہوری سلطنت میں عورت سربراہ بن سکتی ہے اوروہ عدم فلاح والی روایت میں داخل نہیں۔(ب) بلقیس کی سلطنت کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے اوران کے ایمان لے آنے کے بعد کسی دلیل سے ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو اور قاعدہ اصولیہ ہے کہ ”اذا قص الله ورسوله علینا امراً من غیر نکیر علیه فهو حجة لنا “۔ (ج) سلطنت شخصی میں اگر عورت اپنی انفرادی رائے پر عمل نہ کرتی ہو بلکہ مردوں سے مشورہ کرتی ہو تو عورت کے نقصان عقل کا انجبار ہوگیا، اس لئے اس صورت میں عورت کی سربراہی میں عدم فلاح کی صورت نہیں بنتی۔(د) فتوی کے آخر میں حضرت تھانویؒ نے خود یہ فیصلہ فرمادیا کہ تحقیق مذکور سے ثابت ہوگیا کہ یہ ریاستیں عدم فلاح کے حکم سے بری ہیں۔

ان سب باتوں سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ جمہوری سلطنت میں عورت کی سربراہی کا شرعی طور پر جواز کے قائل ہیں۔اس لئے ہندوستان کے مفتی محمد جہانگیر قاسمی صاحب وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جمہوری نظام حکومت میں اراکین کی مذکورہ حیثیت کے پیش نظر جمہوری حکومت میں عورت کی سربراہی وقیادت کوممنوع صورت سے مستثنی قرار دیا ہے،اورحدیث ”لن

یفلح قوم ولوا امرهم امرأة'' کا اسے مصداق تسلیم نہیں کیا ہے۔ ❶

ثانیاً: ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا مذکورہ فتوے سے مقصود یہ بتانا تھا کہ جمہوری حکومت میں سربراہ مملکت پورے اختیارات کا مالک نہیں ہوتا، اس لئے عورت کا سربراہ بننا جائز ہے، ورنہ حاکم کو پورے اختیارات حاصل ہونے کی صورت میں عورت کا سربراہ بننا شرعاً جائز نہیں ہے۔ اگر اس بات کو بھی تسلیم کیا جائے تب بھی اس حقیقت کے بیان میں حضرت تھانویؒ متفرد ہیں اس طور پر کہ بقیہ سارے علماء کے نزدیک جمہوری حکومت میں بھی سربراہ صاحب اختیار حاکم کے حکم میں ہوتا ہے، اس لئے اس میں بھی عورت کا سربراہ اور وزیراعظم بننا جائز نہیں ہے، جبکہ اس کے برخلاف حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس بات کے قائل ہیں کہ جمہوری حکومت میں سربراہ مملکت صاحب اختیار حاکم کے حکم میں نہیں ہے، اس لئے عورت کا سربراہ بننا جائز ہے۔ تو اس قول اور رائے میں بھی حضرت تھانویؒ متفرد ہیں جو کہ ہمارا اصل مدعی ہے۔

چنانچہ شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

عورت کی سربراہی کے متعلق حضرت تھانویؒ کی رائے اوپر بیان القرآن کے حوالہ سے آچکی ہے، جس میں انہوں نے صاف فرمایا کہ ''ہماری شریعت میں عورت کی بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے'' البتہ جمہوری حکومت کے متعلق حضرت تھانویؒ کے مذکورہ فتوی سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اس کی سربراہ بن سکتی ہے، حضرت تھانویؒ نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ''سلطنت جمہوری میں والئ صوری درحقیقت والئ نہیں، بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والئ حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے''۔ لیکن بعد کے علماء نے حضرت تھانویؒ کی اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ جمہوری حکومت میں والئ اور سربراہ کی حیثیت محض ایک رکن مشورہ کی ہے، موجودہ پارلیمانی نظام میں وزیراعظم محض مشیر یا رکن کی حیثیت نہیں رکھتا، بلکہ وہ حکومت اور انتظامیہ کا خودمختار سربراہ ہوتا ہے۔ ❷

❶ الیکشن کے شرعی احکام، مجموع مقالات علماء ہند، ص ۴۱۲، ایفا پبلیکیشنز دہلی، ط ۲۰۱۴ء

❷ کشف الباری عما فی صحیح البخاری، مولانا سلیم اللہ خان متوفی ۲۰۱۷ء، کتاب المغازی، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص ٦٦١، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ط ۲۰۰۸ء

اور شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: درحقیقت اصل شرعی مسئلے میں حضرتؒ (تھانویؒ) نے کوئی اختلاف نہیں فرمایا۔ اصل مسئلہ یہی بیان فرمایا ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی ہے، لیکن ایک امر واقعہ میں اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ وزیراعظم سربراہ نہیں ہوتا۔ اور اس واقعہ کے بیان میں مجال کلام ہے، کیونکہ اگرچہ وزیراعظم سربراہ ریاست نہیں ہوتا لیکن وہ سربراہ انتظامیہ ہوتا ہے، اور سربراہ حکومت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اگر کوئی حضرتؒ سے اختلاف کرے تو وہ اختلاف شرعی مسئلے میں نہیں ہوگا، بلکہ ایک امر واقعہ کی تحقیق میں اختلاف ہوگا۔ ❶

بہرحال جو بھی صورت حال ہو خواہ شرعی مسئلے کے بیان کی ہو یا امر واقعہ کے بیان کی ہو، دونوں صورتوں میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس مسئلے میں متفرد ہیں۔

۱۰...... ہندوستان میں قیام قضاء کا قائل نہ ہونا

ہندوستان میں جب مسلمانوں کی حکومت نہیں تھی انگریزوں کی حکومت میں مسلمان اپنے طور پر کسی کو قاضی مقرر کر کے وہ قاضی کے حکم میں ہوگا؟ اس بارے میں حضرت تھانویؒ کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدون گورنمنٹ کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیونکہ اس کو ولایت عامہ نہ ہوگی البتہ حکم ہو جائے گا جس کا فیصلہ اس وقت معتبر ہوگا جبکہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں رضامندی سے اپنے معاملہ کو اس کے سپرد کردیں۔ ❷

تجزیہ

انگریزوں کی حکومت میں مسلمانوں کو اپنے طور پر قاضی مقرر نہ کرسکنے کی رائے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی تھی، اس کے برخلاف اکثر علماء

---

❶ اسلام اور سیاسی نظریات، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۲۱۲، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰ء

❷ امداد الاحکام، مولانا ظفر احمد عثمانی متوفی ۱۹۷۴ء، کتاب الدعوۃ والشہادۃ والقضاء، ج ۴ ص ۹۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۱۴۳۰ھ

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور دیگر علماء سواد اعظم نظام قضاء اور قاضی مقرر کرنے کے قائل تھے۔ ❶

۱۱...... تحریک کے ذریعے حکام سے مقابلہ نہ کرنا

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کسی تحریک کے ذریعہ حکومت سے مقابلہ کرنے اور مخالفت کرنے کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ صرف دو صورتوں کے قائل تھے۔ قوت کے وقت جہاد اور قتال اور عدم قوت کے وقت صبر، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر حکام کی طرف سے کوئی ناگوار واقعہ (ظلم و استبداد) کا پیش آئے تو تہذیب سے اپنی تکلیف کی اطلاع کر دو، اگر پھر بھی حسب مرضی انتظام نہ ہو تو صبر کرو، اور عمل سے یا زبان سے یا قلم سے مقابلہ مت کرو، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ تمہاری مصیبت دور ہو۔ ❷

اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال اور اگر قدرت نہیں تو صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں ہے نہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہے۔ ❸

تجزیہ

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مذکورہ موقف کو اپنایا جائے تو پھر یہ تمام تحریکات جن میں حکومت سے مطالبات اور مقابلے کی صورت تھی اور حکومت وقت پر دباؤ ڈالنا تھا تا کہ وہ مطالبات منظور کرے، اور بعض دفعہ ان تحریکات کے نتیجے میں جیل جانے کی نوبتیں آئیں، یہ سب تحریکات غیر شرعی ہونگیں، خواہ وہ پر امن تحریک آزادی کی

❶ جدید فقہی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ، ہندوستان اور نظام قضاء، ج۳ص۱۴۸، زمزم پبلشرز کراچی، ۲۰۱۵ء ❷ حیات المسلمین، مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، روح دہم، ص ۱۸۶، ۱۸۷، المیزان لاہور، ط ن ❸ ملفوضات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۱۶، ج۱ص۱۰۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط۱۴۲۳ھ

تحریک ہو، تحریک ختم نبوت ہو، تحریک نظام مصطفیٰ ہو یا عائلی قوانین کے خاتمہ کی تحریک ہو۔

احتجاج سیاسی تحریکات اور جلسوں کے بارے میں امام انقلاب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ فرماتے تھے: آج احتجاج اور مطالبہ حقوق کے میدان مظاہروں کے پلیٹ فارم ہیں، خلوتیں اور تنہائی کی راتیں اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر موجودہ زمانہ میں توپ اور ہوائی جہاز کا استعمال دشمنوں کے مقابلہ اور مدافعت کے لئے جائز ہوسکتا ہے، باوجودیکہ قرون اولی میں یہ چیزیں نہ تھیں، تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں میں بھی شک نہ ہوگا، کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لئے جن کے ہاتھ میں بندوق اور ہوائی جہاز نہیں، یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔ ❶

۱۲......تحریکات سے عملی طور پر الگ تھلگ ہونا

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہندوستان کی تمام تحریکات سے عملی طور پر الگ تھلگ تھے۔

تجزیہ

جمعیۃ علماء ہند جو حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں وجود میں آئی تھی، اور متحدہ ہندوستان کے تقریباً تمام علماء اس میں شامل تھے، حتی کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک زمانہ تک اس کے رکن رکین رہے۔ قیام جمعیۃ علماء ہند ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک وہ جمعیۃ علماء ہند کے پرجوش رہنماء تھے، اور اکثر اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے ان کی دھواں دار تقریروں سے پورا مجمع لطف اٹھاتا۔ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے جمعیۃ علماء ہند سے علیحدگی اختیار کی، تو ان میں وہی تحریکی جذبات موجود تھے اس لئے جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔ ❷

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۹، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ن، مولانا محمود حسن شیخ الہند، حافظ محمد ابوبکر شیخ، ص ۵۰، الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن، ط ۲۰۱۲ء

❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۱۲، ۶۱۴۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

بہر حال دوسرے علماء کے بر خلاف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریکات سے الگ تھلگ رہے ،ایک دفعہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ ،حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ ،حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جمع کر کے تحریک کے سلسلے میں اس وقت کے تقاضے اور ضرورتیں سامنے پیش کیں، دوسرے حضرات نے تحریک کے سلسلے میں ان کی موافقت کی ،اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کر لی۔ ❶

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی نے تحریک کے سلسلے میں پیشکش کر دی گئی کہ آپ امیر المؤمنین بنیں تو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب میں فرمایا کہ آج امیر المؤمنین ہوں گا ،کل کو اسیر الکافرین ہوں گا۔ ❷

اسلام کو ضابطہ حیات اور کامل و جامع نظام قرار دیتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا : اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی ،تمدنی ،اخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل و مکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور وہ صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔ ان کے فرائض صرف نماز روزہ میں منحصر نہیں، بلکہ ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔

علماء کو احساس ذمہ داری دلانے کے لئے ان کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: جماعت علماء جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائدین ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص۲۷۷، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ن

❷ ملفوظات حکیم الامت، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی متوفی ۱۹۴۳ء، ملفوظ ۱۱۶، ج ا ص ۱۱۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۳ھ

وقت اور موقعہ کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں، آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں، ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی۔ علمی تدقیقات کے لئے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں، عبادات و ریاضت کے لئے بہت سی راتیں آپ کو بلا شرکت غیرے حاصل ہیں، مگر جو کام جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔ (یعنی مسجدوں اور حجروں سے باہر نکلنا بھی علماء کی ذمہ داری ہے)۔

نیک اور عبادت گذار بندوں کو خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ، تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے، خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔ حالانکہ ان کو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے، اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ (1)

(1) علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۷، ۲۴۸، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ن، مولانا محمود حسن شیخ الہند، حافظ ابوبکر شیخ، ص ۵۶، ۵۷، جمعیت میڈیا فاؤنڈیشن، ط ن

باب دوم: تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوریاں اور ان کے اسباب ووجوہات

۱......سیاسی قیادت بڑا مسئلہ

تھانوی حضرات اگرچہ علمی میدان میں بہت آگے ہیں، لیکن سیاسی میدان میں اس طرح کے درجے میں نہیں ہیں، اور اس میدان میں ان کے پیچھے رہنے کی ایک بڑی وجہ ان کے لئے قیادت کا مسئلہ رہا ہے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے تھانوی حضرات نے ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کے نام سیاسی جماعت قائم کی۔ تو اس وقت ان کے لئے اس کی قیادت بڑا مسئلہ تھا، ان کی نظر میں کوئی ایسی شخصیت نہ مل سکی جو قیادت کو سنبھالے، بالآخر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت علماء اسلام کی صدارت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو اس کانفرنس میں شریک نہیں تھے، کو تفویض کی جائے۔ حضرت عثمانیؒ نے ابتداء میں صدارت قبول کرنے سے عذر کیا لیکن علماء کے اصرار پر دسمبر ۱۹۴۵ء میں منصب صدارت کو قبول فرمایا۔ ❶

چونکہ علامہ عثمانیؒ تحریک شیخ الہندؒ کے رکن رکین تھے، اور حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی رفاقت میں کئی سال جمعیت علماء ہند کے ایک اہم رہنما کے طور پر خدمات انجام دے چکے تھے، جس کی تفصیل باب سوم آرہی ہے، اس لئے ان میں سیاسی قیادت کی صلاحیت موجود تھی، اس لئے ان کو ان کی موجودگی کے بغیر تھانوی حضرات نے ان کو اپنی قائم کردہ سیاسی جماعت جمعیت علماء اسلام کا صدر منتخب کیا۔

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۰، ۵۶۱، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن، کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۶۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

یہ بات باب سوم میں تفصیل سے آرہی ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ سیاست کے میدان میں اصلاً حضرت حکیم الامت تھانوی صاحبؒ کے موقف کے حامی نہیں تھے، بلکہ حضرت شیخ الہند صاحبؒ کے شاگرد رشید ہونے کے ساتھ ابتدا سے ان کی تحریکات کے ایک اہم رکن تھے، اور پھر ان کی قائم کردہ جماعت جمعیت علماء ہند کے بھی اہم رہنما تصور کئے جاتے تھے۔ البتہ تحریک پاکستان اور تقسیم ہند کے بارے میں حضرت علامہ عثمانیؒ اور حکیم الامت تھانویؒ کا موقف یکساں اور ایک جیسا تھا، تو اس مسئلے میں وہ تھانوی حضرات کے ساتھ ہو گئے، تھانوی حضرات نے ان کو غنیمت سمجھ کر ان کے غیر موجودگی میں اپنی قائم کردہ جماعت ''جمعیت علماء اسلام'' کی صدارت ان کو تفویض کی۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد تھانوی حضرات کے لئے سیاسی جماعت کی قیادت کرنا اور سنبھالنا ایک بار پھر بڑا مسئلہ بن گیا، یکے بعد دیگر کچھ حضرات نے قیادت کو سنبھالنے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہ مل سکی، اور بالآخر قیادت کے فقدان کی وجہ سے ان کی سیاسی جماعت جو بعد میں ''مرکزی جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے موسوم ہوئی تھی، اپنی موت خود مر چکی۔ اور تھانوی حضرات کی نئی نسل کو شاید اب اس بات کا علم نہیں ہوگا کہ ہمارے اکابر اور آباء واجداد نے ایک زمانہ میں سیاسی جماعت قائم کی تھی۔

اس کے برخلاف مدنی حضرات اور جمعیت علماء اسلام کے ہر رہنماء میں قیادت کی صلاحیت ہمیشہ سے موجود رہی ہے، اور اس کی زندہ مثال قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت ہے، جو مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد انھوں نے بالکل نوجوانی میں قیادت سنبھالتے ہوئے خلاء کو اچھی طرح پُر کر دیا، اور سیاسی طور پر کسی قسم کی کمی کو محسوس نہیں کرنے دیا۔

اسی طرح اگر ختم نبوت کی تحریک کا مطالعہ کیا جائے، تو متحدہ ہندوستان میں اس کی اصل قیادت تحریک شیخ الہندؒ اور جمعیت علماء ہند کے رہنما متحدہ قومیت کے حامی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ہاتھ میں نظر آتی ہے، اور اس وقت اس تحریک میں ان کے ساتھ

تھانوی حضرات بھی تھے، جن کی اس موضوع پر اچھی تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب قیادت کا مسئلہ آتا ہے، تو شاہ صاحبؒ کے بعد حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا منظور احمد چینوٹیؒ اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ اور دیگر مدنی حضرات اس تحریک کی قیادت کو سنبھالتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور پارلیمنٹ میں مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ، مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اوران کے دیگر رفقاء اس مسئلے کو حل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اور اس میں فلسفہ وہی ہے کہ سیاسی جماعت اور دینی تحریک کی قیادت کرنا تھانوی حضرات کے لئے بڑا گھمبیر مسئلہ رہا ہے۔

۲......سہولت پسندی

تھانوی حضرات کی سیاسی میدان میں کمزوری کی ایک بڑی وجہ اور سبب سہولت پسندی ہے، یہ ان کی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے، جبکہ سیاسی میدان اور سہولت پسندی حقیقت میں ایک دوسرے کے ضد ہے، سیاسی میدان میں نہ کھانا بروقت اور نہ نینداور آرام بروقت میسر ہوتا ہے، مسلسل حرکت اور اسفار سے واسطہ پڑجاتا ہے۔اس لئے حضرت امام شافعیؒ نے انسانوں کی سیاست اور قیادت کو جانوروں کی دیکھ بھال سے سخت اور مشکل قرار دیتے ہوئے فرمایا:

سیاسة الناس اشد من سیاسة الدواب. ❶

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کچھ دوسرے شعبوں اور سیاست کے درمیان موازنہ میں سیاست کو پُر خار مشکل میدان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کیا ہے ترک دنیا اور تصوف ایک خوشگوار جذبہ ہے دنیاوی جھگڑوں سے فارغ البالی کا، بہت آسان ہے سالہا سال اعتکاف کے مکاشفات اور مراقبات کی لطف اندوزی، بہت سہل ہے برسہا برس

❶ سیر اعلام النبلاء، ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ، الامام الشافعی، ج۸ص ۲۸۰، دارالحدیث القاہرہ، ط۲۰۰۶ء

مطالعہ کتب کر کے تبحر علمی کے ملکات کی فراہمی، بہت سہل ہے کسی خانقاہ کی کنج عزلت، بہت سہل ہے یا کسی دار العلوم کی مسند تدریس۔تم پوچھو مشکل کیا ہے؟۔میں بتاؤں گا بہت مشکل ہے رجوع الی اللہ زہد اور تقوی کے ساتھ خدمت خلق اور نوع انسانی کی ہمدردی۔ یعنی وہ سوز، وہ تڑپ، وہ بے چینی جو کبھی مسجد میں لے جائے، کبھی حلقہ درس میں، کبھی ممبر پر وعظ و تلقین کے لئے کھڑا کرے، کبھی سیاسی پلیٹ فارم پر ترقی ملت اور اعلاء کلمۃ الحق کے لئے۔پھر کبھی اپنوں کی گالیاں سنوائے، پابزنجیر جیل خانوں کی سلاخوں میں بند کرادے۔ دن کے وقت خدمت خلق میں مصروف اور پریشان رکھے تو رات کی تاریکی میں محبوب حقیقی کے سامنے راہب شب بیدار بنا کر کھڑا کردے۔بلا شبہ بہت مشکل ہے ہمدردی خلق اور غم خواری مسلم کی وہ خلش جو رات کی میٹھی نیند حرام کردے۔ ❶

حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ جو میدان سیاست میں قائد ہوا کرتے تھے، ان کے بارے میں ان کے شاگرد حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ فرماتے ہیں: حضرت مدنیؒ کا نمایاں وصف ان کا عزم و عالی ہمتی تھی، انھوں نے جس چیز کو رضاے الٰہی ضروری سمجھا تو اس کو بڑی خوش دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا خواہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ اور صبر آزما ہو، انھوں نے اس وقت کئی کئی برس جیل کاٹے ہیں جب جیل جانے کا عموماً نام نہیں تھا...حضرت مدنیؒ کی دینی مصروفیت وانہماک کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو ان سے کچھ قریب رہے ہیں۔ایسا مسلسل اور انتھک کام کرنے والا، اور نہ اکتانے والا اور نہ گھبرانے والا انسان کم نظر آیا ہوگا۔واقعہ یہ ہے کہ جو حضرتؒ کی مصروفیت کو دیکھتے تھے وہ گھبراتے اور پریشان ہوجاتے تھے کہ اتنا کام وہ کیسے کرتے ہیں، ایک ہی دن میں سیکڑوں آدمیوں سے ملنا، درجنوں مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا، کئی کئی گھنٹے درس دینا، خطوط کا جواب دینا، دینی اجتماعات اور سیاسی جلسوں میں شرکت و بیانات کرنا وغیرہ حضرتؒ کی مصروفیت تھی ...

❶ حیات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۱۵، ۱۶، مکتبہ محمودیہ لاہور، ط ن

حضرت مدنیؒ کا ایک وصف ان کی آدمیت وانسانیت ہے، اس صفت وخصوصیت کا اندازہ ان کے مکارم اخلاق سے ہوتا ہے، دوسروں کو حتّٰی کہ مخالفین کو بھی نفع پہنچانے کی کوشش کرتے، خود تکلیفیں برداشت کرتے لیکن دوسروں کی چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کی فکر کرتے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ مزید فرماتے ہیں: بہت سے لوگ مولانا مدنیؒ کو ایک عالم اور محدث کی حیثیت سے جانتے ہیں، بہت سے لوگ ان کو ایک شیخ طریقت اور سالک کی حیثیت سے جانتے ہیں، بہت سے لوگ ایک سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی ذات کو ان سب فضائل سے آراستہ کیا ہے، لیکن میری کوتاہ نظر میں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنھوں نے آپ کو اپنے معاصرین سے ممتاز بنایا ہے، ایک عزیمت اور دوسرے حمیت۔ عزیمت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آپ نے علماء واہل درس کے حلقہ سے قدم باہر نکالا اور اس وقت کے اہم مسایل کی طرف توجہ کی، کہ عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانہ میں اعلان حق کر کے ''**كلمة حق عند سلطان جائر** '' کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا، مالٹا میں اسیری کے دن گذارے، اور ہندوستان کے جیلوں میں مہینوں رہ کر سنت یوسفی ادا کی، اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلہ میں برسوں سینہ سپر رہے۔ اسی طرح حمیت آپ کی کتاب اور زندگی کا نہایت روشن عنوان ہے، اسی حمیت نے ان میں انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا، جس کی آسودگی اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ انگریز اس ملک سے چلے نہیں گئے۔ تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء کی جدوجہد میں حمیت کی روح کارفرما تھی اور یہی آپ کو سدا جوان اور مستعد وسرگرم رکھے ہوئے تھی، اور اس نے سینکڑوں، ہزاروں آدمیوں کو متحرک بنا رکھا تھا۔ بہرحال دینی حمیت آپ میں کوٹ کوٹ بھری ہوئی تھی''۔ ❶

---

❶ تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا سید ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، مختصراً ص ۴۰...۶۹، سید احمد شہید اکیڈمی رائے بریلی انڈیا، ط ۲۰۱۶

۳......نازک طبعی

تھانوی حضرات کی سیاسی کمزوری کا ایک سبب اور وجہ ان کی نازک طبعی ہے، وہ عمومی طور پر نازک طبع نظر آتے ہیں۔ جبکہ سیاست میں نازک طبعی کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہے، سیاست کا میدان ایک سخت دشوار میدان ہے، اس میں جیل کاٹنے کی صورت حال بھی پیش آسکتی ہے، سیاسی جلسے وجلوسوں کے لئے بھاگ دوڑ اور آرام کو بھی قربان کرنا پڑتا ہے، حکومت وقت سے ٹکر لینے کی حالت بھی پیش آسکتی ہے، اپنوں کے گلے شکوے بھی سننے پڑتے ہیں، غیر سیاسی مولویوں اور شیوخ کے اعتراضات، دوسروں کے پروپیگنڈے اور تنقیدات، میڈیا کے بے جا الزامات اور مخالف بیانات اور اپنوں کی ملامت اور شکایت وشکوے بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

اس راہ میں جو سب پر گزرتی ہے وہ گزری
تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار
گرجے ہیں بہت شیخ سر گوشہء منبر
کڑکے ہیں بہت اہل حکم بر سردربار
چھوڑا نہیں غیروں نے ناوک دُشنام
چھوٹی نہیں اپنوں سے کوئی طرز ملامت

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے متعلق فرماتے ہیں: حضرت مدنیؒ کا ایک بڑا وصف ان کا عزم واستقلال تھا۔ ان کی حقانیت، عزم، اللہ پر بھروسہ اور للّٰہیت پر سب لوگ حیران تھے۔ حضرت دن بھر تقریر فرماتے، دن رات سفر میں رہتے، مخالفوں کی ہنگامہ خیزیوں کا مقابلہ سکوت وسکون اور عدم تشدد سے فرماتے، ہر جگہ اصلاح وعظ، تقوی کی تلقین، مریدوں کی روحانی تعلیمات، بیعت ارشاد وتبلیغ، ہر وقت اتباع سنت، مخالفین کی طرف سے گالی وتوہین پر گھبراہٹ کا نام ونشان نہیں، وہی بشاشت وہی خندہ پیشانی، نماز باجماعت کی پابندی، سفر میں بھی تہجد کی پابندی،

مراقبہ اور حیران کن شب بیداری، کہیں روٹی نہیں ملی یا معمولی سالن ملا کچھ پروانہیں، جو کچھ سامنے آیا خوشی وشکریہ کے ساتھ تناول فرمایا۔ یہ تمام امور انسان کو حیرانی میں ڈالنے والے ہیں اور ہر شخص انگشت بدندان ہوتا تھا کہ حضرتؒ انسان ہے یا انسان سے بالا فوق العادۃ کوئی ہستی ہے۔ ❶

ایک مرتبہ شاہجانپور میں حضرت مدنیؒ کی تقریر سے مخالفین بے حد مشتعل ہوگئے، اور انھوں نے یہ چیلنج کر دیا کہ اگر ائندہ ایسی تقریر کی گئی تو کفن ساتھ لایں، اسی جلسہ میں حضرتؒ نے یہ اعلان فرمادیا کہ دوسرے جمعہ کو اسی جگہ پر تقریر ہوگی، پھر اس جمعہ کو جب حضرت ٹرین سے اترے تو بغل میں ایک کپڑا دبایا ہوا تھا، وہاں سے سیدھے جلسہ گاہ تشریف لے گئے اور مجمع کو کپڑا دکھلایا کہ میں کفن ساتھ لایا ہوں، پھر سابقہ تقریر سے زیادہ زوردار تقریر کی۔ اعلاء کلمۃ اللہ میں اس ہمت اور جرأت کا اثر یہ ہوا کہ مخالفین کی اکثریت نے بدعت سے توبہ کر کے معافی کی خواستگار اور داخل سلسلہ ہوئی۔ ❷

ایک دفعہ مخالفین حضرت مدنیؒ کی توہین واذیت دینے پر تلے ہوئے تھے، تو ان کی عزت اور جان کی خاطر متعلقین نے درخواست کی کہ کچھ عرصہ کے لئے سفر موقوف کریں، جواب میں حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: بھائی! تم کہتے ہو کہ اس میں بڑی اذیتیں اور تکالیف ہیں، لیکن یہ اذیتیں جو دی جاتی ہیں یا اٹھانی پڑتی ہیں میرے لئے عین راحت ہے۔ باقی رہا عزت تو خدا اور سول کے راستہ میں جو بھی توہین کی جائے یا اذیت دی جائے میرے لیئے عین عزت اسی میں ہے، اگر حق گوئی کے پاداش میں ہماری توہین کی جاتی ہے تو میں اس کو عزت تصور کرتا ہوں، باقی رہنا مرنا ایک ہی دفعہ ہے تو اللہ تعالی نے جس وقت اور جس طرح مقدر کر دیا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔ ❸

❶ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۷، جمعیت پبلکیشنز لاہور، طن

❷ علمائے دیوبند کے واقعات وکرامات، حافظ مومن خان عثمانی، ص ۲۳۹، المیزان لاہور، ط ۲۰۱۰ء

❸ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۷، جمعیت پبلکیشنز لاہور، طن

آپ کی زندگی کا ایک اہم مقدمہ جو کراچی کی عدالت دینا ہال میں چلا تھا، اس مقدمہ کی بنیاد وہ فتوی تھا جو مولانا مدنیؒ ہندوستانی فوج کے نام جاری کیا تھا کہ انگریز فوج میں بھرتی ہونا، اس کی حمایت میں لڑنا، اس کی ترغیب دینا از روئے شریعت حرام ہے۔ جب اس فتوی کے خلاف آپ پر مقدمہ چلا تو عدالت میں انگریز جج نے فتوی کے متعلق آپ سے استفسار کیا، تو مدنیؒ نے نہایت جرأت اور بے مثال حق گوئی سے فرمایا کہ فتوی میں نے دیا اور جب تک میری رگوں میں خون دوڑتا رہے گا اس وقت تک اس کی اشاعت اور صداقت کا اعلان جاری رہے گا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ وہاں موجود تھے بے ساختہ اٹھے اور مولانا مدنیؒ کے قدم چوم لئے اور ساتھ یہ کہا خدارا آپ بیان بدل دیں ورنہ پھانسی کی سزا ہوسکتی ہے، اور اس وقت سارے ملک کو آپ کی ضرورت ہے۔ حضرت مدنیؒ نے جواب میں فرمایا: ''اگر بیان بدلا تو ایمان بدل جائے گا۔ ❶

بہرحال سیاسی میدان بڑا دشوار میدان ہے، نازک طبعی کے ساتھ اس میں چلنا کامیابی اور بقا کے سفر کے لئے حائل ہے، اس لئے تھانوی حضرات کا سیاسی سفر اس وقت اختتام پذیر ہوا ہے جب ان کی قائم کردہ جماعت ''مرکزی جمعیت علماء اسلام'' پر فنا طاری ہوئی۔

۴......مزاج کے حصار میں

تھانوی حضرات بہت سے مسائل کو اپناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ہمارے مزاج کے موافق ہیں، اور بہت سے مسائل کو اس لئے چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ ان کے مزاج کے خلاف ہوتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مزاج کے حصار میں ہیں، اس سے نکلنا نہیں پاتے ہیں۔ حالانکہ شرعی کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مزاج کے پرواہ کئے بغیر اس کو سرانجام دیا جائے، خصوصاً سیاسی اور اجتماعی مسائل میں تو بہت دفعہ اپنا مزاج کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ بہرحال تھانوی حضرات کا سیاست سے لاتعلق ہونے کی ایک اہم وجہ اپنے اپنے خاص مزاج کی پابندی ہے، وہ اپنے خاص مزاج کے دائرے سے نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے

❶ علمائے دیوبند کے واقعات وکرامات، حافظ مومن خان عثمانی، ص ۲۶۵، المیزان لاہور، ط ۲۰۱۰ء

جبکہ کام، تحریکات اور سیاست کے لئے اپنے مزاج کو نہ صرف چھوڑنا پڑتا ہے بلکہ خلاف مزاج چیزوں کو برداشت کرنا بھی پڑتا ہے۔ طائف میں جسم مبارک کا لہولہان ہونا اور احد میں دندان مبارک شہید ہونا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے موافق تھا؟۔

حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ ہے کہ ان کے ساتھ تحریک میں ایک نازک مزاج اور نازک طبعیت عالم مولانا محمد حسنؒ شامل ہوگئے، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ان کی اس نازک مزاجی ختم کرنے کا ارادہ کیا، تو خدام کو حکم دیا کہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مولوی محمد حسن کسی اور جگہ کھانا نہ کھائیں میں ان کو اپنے ساتھ کھلاؤں گا۔ جب کھانے کا وقت آیا اور مولوی محمد حسن حضرت شاہ کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھے تو ایک نوالہ لینے پائے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے زور سے ناک سنکی (ناک کی غلاظت اور رینٹ نکالنا)، مولوی صاحب فوراً اٹھ کر چلے گئے۔ شاہ صاحبؒ نے حکم دیا کہ جیسا بھی ہوا ان کو میرے علاوہ کسی اور جگہ کھانا کھانے نہ دیا جائے، پھر دوسرے دفعہ کھانے کے وقت پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے ایسا کیا تو مولوی صاحب فوراً تو نہیں اٹھے تو شاہ صاحبؒ نے رینٹ کو ان کے سامنے انگلیوں سے ملا، اس پر ان سے نہ رہا گیا اور یہ کہہ کر کہ مولانا کیا کرتے ہو اور اٹھ کر چلے گئے۔ تیسرا وقت کھانے کا آیا تو شاہ صاحبؒ نے زور سے سنکا اور ہاتھ سے رینٹ کو ملتے ہوئے ان کے کھانے کی طرف کو لے گئے، انہوں نے اپنا پیالہ شاہ صاحبؒ کے سامنے کر دیا اور کہا کہ اب تو اگر آپ اس میں ملا بھی دیں گے تب بھی کھالوں گا۔ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے فرمایا کہ بس اب علاج ہوگیا، خدام سے کہا کہ پانی لاؤ اور پانی منگا کر ہاتھ دھوڈالے، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اس لئے کیا کہ تم جہاد کو جارہے ہو اور جہاد میں نازک مزاجی نہیں نبھ سکتی ہے۔ ❶

تھانوی حضرات کا مزاج کے حصار میں پابند ہونا صرف سیاسی مسائل میں نہیں، بلکہ ان کے علاوہ انفرادی اور دوسرے اجتماعی مسائل میں بھی نظر آتے ہیں، یہاں پر بطور نمونہ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

❶ ارواح ثلاثہ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، متوفی ۱۹۴۳ء، ص ۴۸، ۴۹، دارالاشاعت کراچی، ط ۲۰۰۱ء

ا...... بینکاری کا مسئلہ: موجودہ دور میں عرب دنیا میں نئے مسائل کے شرعی حل کے لئے مختلف مجلسیں قائم ہیں، جن کے زیر انتظام مختلف ممالک کے علماء کو دعوت دی جاتی ہے، کہ وہ ان مسائل میں اپنے خیالات، تحقیق اور نقطہ نظر پیش کریں، ان مسائل پر مختلف مسالک اور مذاہب کے اہل علم بحث مباحثہ بھی کرتے ہیں، اور مقالات بھی پیش کرتے ہیں، اکثر ان مسائل میں اتفاق یا اکثر کے قول پر عمل ہوتا ہے، اور جس نے اختلاف کیا ہو اس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں حضرت مولانا مجاہد الاسلامی قاسمیؒ اور ان کے دیگر رفقاء کے زیر انتظام اسی طرح کی مجالس اور تنظیمیں قائم رہی ہیں، جن میں مختلف الخیال علماء اور سکالرز اور ماہرین فن شریک ہوکر اپنے خیالات اور آراء پیش کرتے ہیں، جس کا ایک مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں ''جدید فقہی مباحث'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اور تھانوی حضرات ان دونوں مجالسوں میں شریک ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرز پر پاکستان میں تھانوی حضرات نے جب ''اسلامی بینکاری'' کو عمل میں لانے اور بنیاد ڈالنے کی کوشش کی، ہماری ناقص رائے میں یہ بہتر تھا کہ اس موقع میں وسعت پسندی سے کام لیا جاتا، اور دوسرے مکاتب فکر کے علماء اور محققین کو بھی شامل کیا جاتا، تو شاید ایک اتفاقی اور اجماعی صورت پیدا ہوتی، یا کم از کم اکثر کا موقف تو معلوم ہو جاتا۔ لیکن ہمارے جیسے ایک طالب العلم کے لئے بڑی حیرت کی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس اہم مسئلے پر تو دوسرے مکاتب کے اہل علم کو شریک کرنا تو درکنار، اپنے دیوبند مسلک کے جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، جامعہ حقانیہ، جامعہ فریدیہ اور ملک کے کئی دوسرے بڑے جامعات کے مفتیان کرام اور محققین کو شامل اور شریک کرنے کو گوارہ نہیں کیا گیا، جو ایک خاص مزاج میں حصار ہونے کی ایک واضح اور بیّن دلیل ہے۔

اس موقع پر ابتداء ۱۴۱۲ء میں جن خاص تھانوی مزاج والوں کو یا ان کے جامعات سے جن کو شریک کیا گیا وہ حضرات یہ ہیں: مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ، مفتی عبدالشکور ترمذی صاحبؒ، مفتی محمد وجیہ صاحبؒ، مفتی سحبان محمود صاحبؒ، مفتی عبدالواحد صاحبؒ، جامعہ خیر

المدارس کے مفتی محمد انور صاحب، مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب۔ ❶

۲...... پچاس سالہ دار العلوم کراچی اجتماع: شوال ۱۴۲۰ھ میں دار العلوم کراچی میں پچاس سالہ سہ روزہ فضلاء کانفرنس اور اجتماع ہوا تھا، جس میں دارلعلوم کے پچاس سالوں میں فاضل ہونے والے فضلاء کی دستار بندی کی گئی۔ اس اجتماع میں ان اکابر حضرات کو دعوت دی گئی تھی جوان پچاس سالوں میں دار العلوم میں کسی وقت استاتذہ رہ چکے تھے، اور ان کے علاوہ ملک بھر سے تھانوی حضرات اکابر، مثلاً فیصل آباد کے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحبؒ، حیدر آباد سے حضرت مولانا مفتی وجیہ صاحبؒ وغیرہ کو بھی مدعو کیا تھا، اور ان حضرات کے بیانات بھی ہوئے تھے۔ لیکن مدنی مزاج کے سیاسی حضرات قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق شہیدؒ اور مولانا اعظم طارق شہیدؒ کو در کنار، قریب میں جامعہ علامہ بنوری ٹاؤن کی غیر متنازعہ شخصیات حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین شہیدؒ (جو اس وقت حیات تھے) کو بھی مدعو نہیں کیا گیا تھا۔

اس کے برخلاف ۲۰۰۱ء میں پشاور میں ''ڈیڑھ سو سالہ خدمات دار العلوم دیو بند'' اور ۲۰۱۷ء میں پشاور میں ''جمعیت سو سالہ خدمات'' کے نام سے جمعیت علماء اسلام کے زیر اہتمام جو کانفرنسیں منعقد ہوئی تھیں، ان میں تھانوی حضرات کو نہ صرف دعوت دی گئی تھی، بلکہ شرکت کے بعد ان کو خطاب کا موقع بھی دیا گیا تھا۔

۳...... شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور دوسرے اکابرین حضرات جب ہندوستان تشریف لیجاتے ہیں، تو مدنی حضرات خصوصاً حضرت مولانا محمد ارشد مدنی صاحب ان کو دار العلوم دیو بند وغیرہ میں نہ صرف مدعو ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، بلکہ ان کے بیانات کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف حضرت مولانا محمد اسعد مدنی صاحبؒ کئی دفعہ پاکستان تشریف لائے تھے، اسی طرح حضرت مولانا محمد ارشد مدنی صاحب گزشتہ سالوں میں دو دفعہ کراچی تشریف لائے، جامعہ علامہ بنوری ٹاؤن وغیرہ میں ان کے

❶ غیر سودی بینکاری، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۹، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط ۲۰۱۰ء

بیانات کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن بندہ کے علم میں نہیں کہ دارالعلوم کراچی میں ان حضرات کے بیانات ہوئے ہوں۔

۵......سیاسی مخالفین کے ساتھ سخت روِش اور برتاؤ

میدان سیاست میں بہت بڑا سینہ پن اور عالی ظرفی کی ضرورت ہوتی ہے، کل کا مقابل آج کا اتحادی بن جاتا ہے، کئی مواقع میں پُرانے باتوں کو بھلانا پڑتا ہے، سخت سے سخت مخالف کو بھی کبھی برداشت اور اس کے ساتھ بیٹھنا پڑتا ہے، جب تک یہ چیزوں پر عمل نہ ہو پھر اس میدان میں چلنا دشوار ہوتا ہے۔ جب کہ تھانوی حضرات میں سیاسی طور پر برداشت اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کرنا اس طور پر نہیں پایا جاتا ہے جس طرح اس کا حق ہے۔ یہاں پر چند مثالیں پیش خدمت ہیں، جن سے قاری کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

ا......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ جو ایک غیر متنازعہ اور سب کے ہاں محبوب تھے، لیکن حضرت حکیم الامت تھانوی صاحبؒ اس وجہ سے ان سے محبت کم کرتے تھے کہ ان کا شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: حضرت تھانوی قدس سرہ کو مجھے بچپن سے بہت محبت تھی، اگر چہ اُخیر زمانے میں لیگ اور کانگریس کے جھگڑے کی وجہ سے اس میں کمی آگئی تھی، جس کی وجہ یہ تھی حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی قدس سرہ کے ساتھ اس ناکارہ کے خصوصی تعلق کی بنا پر بار بار میرے شدید ترین کانگریسی ہونے کی شکایات پہونچتی رہتی تھیں، اور حضرت حکیم الامت کو کانگریس سے ایسی نفرت تھی جیسی اس سیہ کار کو اسٹرائک سے۔ چنانچہ جب ''مجلس دعوۃ الحق'' حضرت نے قائم فرمائی، اس کے ممبران میں سے کسی نے اس ناکارہ کا نام بھی پیش کیا تو حضرت نے بڑے تعجب سے یہ کہکر کہ وہ تو مولانا حسین احمد کا خاص آدمی ہے، اس ناکارہ کا نام لکھنے سے انکار کردیا۔ اور چند روز بعد ہمارے مدرسہ کے مفتی اور میرے رشتہ کے ماموں مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب مرحوم جو حضرت تھانوی کے مخصوص خدام میں سے تھے، جب وہاں حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامت قدس

سرہ نے بڑے استعجاب سے ان سے یہ کہا کہ میری مجلس میں فلاں صاحب نے مولوی زکریا کا نام بتلایا، تو مولوی شفیق الرحمٰن نے کہا کہ حضرت وہ تو بغیر تلی کا ٹینڈر رہے، ہر ایک کے ساتھ لڑھک جاتا ہے، حضرت والا کے ساتھ اس کو تعلق مولوی حسین احمد سے کم نہیں، مگر حضرت قدس سرہ نے سابقہ روایات کثیرہ کے مقابلہ میں اس کو اہمیت نہیں دی۔ اور ان روایات کا محمل بھی صحیح تھا، اس لئے کہ حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ کی تقریباً روزانہ نہیں تو ہر دوسرے تیسرے روز آمدورفت ضرور رہتی تھی...اور یہ سب روایات حضرت حکیم الامت قدس سرہ تک پہونچتی رہتی تھیں، اس لئے میرا کانگریسی یا جمعیتی ہونا حضرت قدس سرہ کے ذہن میں بہت مستحکم تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جناب الحاج رشید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ تھانہ بھون حاضر ہوئے جو حضرت حکیم الامت کے یہاں بہت معتمد اور اُونچے سمجھے جاتے تھے، دہلی کے لیگ کے صدر تھیم مسٹر جناح کے خاص دوست اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی مجلس ''دعوۃ الحق'' کے رکن رکین۔ حضرت قدس سرہ نے بڑے ہی استعجاب سے شیخ جی سے کہا کہ فلاں شخص نے مجلس میں مولوی زکریا کا نام پیش کیا، مجھے بہت تعجب ہوا وہ تو مولوی حسین احمد کا خاص آدمی ہے، تو شیخ جی نے بہت زور سے نام پیش کرنے والی کی تائید کی، اور عرض کیا کہ حضرت میں تو ان کا نام خود ہی پیش کرنے کا ارادہ کررہا تھا کہ ان کو مولانا حسین احمد صاحب سے جتنا بھی تعلق ہو لیکن جناب والا سے بھی عقیدت کم نہیں ہے، اور جتنا کسی کانگریسی یا جمعیتی سے تعلق ہو اس سے زیادہ مجھ سے ہے، میں ان سے خوب واقف ہوں۔ مگر چونکہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے پاس روزانہ حضرت مدنی کی آمد اور میری حضرت مدنی قدس سرہ کے ساتھ قرب وجوار کے اسفار میں معیت خوب پہونچتی رہتی تھی، اور پہونچانے والے بھی حواشی سے پہونچاتے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب نے اللہ انہیں معاف کرے حضرت تھانوی قدس سرہ کی مجلس میں اس سیہ کار پر یہ افتراء کیا کہ وہ تو یوں کہتا ہے کہ تھانہ بھون جا کر کیا کروگے، دیوبند حضرت مدنی کی خدمت میں جاؤ، جن صاحب نے یہ نقل کیا وہ حضرت کی مجلس میں اس وقت موجود تھے، اور حضرت کے خاص لوگوں میں

سے تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے بہت ہی اس روایت پر رنج وقلق ہوا، اور اس پر تعجب بھی ہوا کہ اکابر کے حاشیہ نشین اس قدر دروغلو بھی ہو سکتے ہیں۔ مجھے تمھارا حضرت تھانوی کے ساتھ تعلق عرصہ سے معلوم ہے، میں نے تردید کرنے کا ارادہ بھی کیا مگر جرأت نہیں ہوئی۔غرض اسی قسم کے واقعات حضرت حکیم الامت قدس سرہ کو کثرت سے پہونچتے رہتے تھے، جن کی بنا پر اس سیہ کار کو حضرت مدنی کے خاص لوگوں میں سمجھنا بے محل نہیں تھا، اور حضرت مدنی قدس سرہ کے ساتھ حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ کا اس زمانے میں مسلک کا شدید اختلاف تھا۔ اس سلسلے میں کئی رسالے اس زمانے میں شائع ہوئے تھے جس میں سے ایک رسالہ البوادر النوادر شائع ہو چکا ہے۔ اس لئے جس شخص کا بھی حضرت مدنی قدس سرہ سے خصوصی معلوم ہوتا تھا، وہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے یہاں پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ❶

اس کے برخلاف دوسری رُخ کی طرف دیکھیں، تو آپ کو بے شمار ایسے واقعات ملیں گے کہ حضرت مدنیؒ نے حضرت تھانویؒ کے متلقین اور ہمنواؤں کے ساتھ اپنے متعلقین اور اپنے ہمنواؤں جیسا برتاؤ کیا ہے۔

(الف) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے خلیفہ بھی تھے، اور سیاسی طور پر بھی وہ ان کے ہمنوا تھے، اور جوانی میں اس وقت دار العلوم دیوبند کے مہتمم بنائے گئے جب شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے، ان کے مہتمم بنانے میں حضرت مدنیؒ کا بھی کردار تھا۔ پھر ایک زمانہ میں حضرت قاری محمد طیبؒ نے پاکستان ہجرت کی، کچھ عرصہ یہاں رہے، لیکن یہاں پر انہوں حکمرانوں کا طرز عمل دیکھ کر محسوس کیا کہ جس مقصد کے لئے الگ ملک بنایا گیا تھا، یہاں پر اس کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے، اس لئے مایوس ہو کر

❶ آپ بیتی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، آپ بیتی نمبر۸ ص ۵۴، ۵۷، ۵۸، معہد الخلیل الاسلامی کراچی، ط ن

واپس ہندوستان جانا چاہا، تو وہاں پر مدنی حضرات مثلاً حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے ان کے دوبارہ نیشنلٹی اور پاسپورٹ بنوانے کے لئے کوشش کی جو کامیاب ہوئی۔ اور مرتبین ''حیات طیب'' نے لکھا ہے کہ حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے وہاں پہنچنے پر دارالعلوم دیوبند میں استقبالی جلسہ کا اہتمام کیا گیا، اور حضرت مدنیؒ نے ان کو خوش آمدید فرمایا۔ ❶

اور اس کے بعد ان کو پھر منصب اہتمام تفویض کیا گیا۔

اس پہلے ان کو مہتمم بنانے میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پیش پیش تھے، ان کے مہتمم بننے کے وقت حضرت مدنیؒ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس تھے۔ ایک مرتبہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سارا کام چھوڑ کر کے تھانہ بھون چلے گئے، اور یہ تحریر لکھ دیئے کہ اہتمام کا کام مجھ سے نہیں ہوسکے گا، یہ خدمت کسی دوسرے کے سپرد کردی جائے۔ حضرت مدنیؒ دوسرے حضرات کے ساتھ تھانہ بھون پہنچے اور حضرت تھانوی صاحبؒ سے ملاقات کرکے فرمائے کہ حضرت! آپ کے ہاں ہمارا ایک چور آیا ہے، اور آپ نے اسے پناہ دے رکھی ہے، حضرت تھانویؒ کو چونکہ اس واقعہ کی خبر نہیں تھی، اس لئے پوچھا کہ کیسا چور، اس کا کیا مطلب؟ حضرت مدنیؒ اور ان کے رفقاء نے واقعہ کی تفصیل بتادی۔ حضرت تھانویؒ نے حضرت قاری صاحبؒ کو طلب فرمایا اور مخاطب فرمایا کہ تم نے یہ کیسی حرکت کی ہے، سارے کام چھوڑ کر تم یہاں آگئے، اس پر انہوں نے عرض کیا کہ یہ کام مجھ سے نہیں چل سکتا، اس پر حضرت مدنی صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے کہا کہ کیسے نہیں چلے گا، جو بھی کچھ ہو ہم تمھیں زبردستی لے جائیں گے۔ یہ حضرت قاری صاحبؒ کو تھانہ بھون سے دیوبند لے آئے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبل فرماتے ہیں کہ اس وقت میرا عجیب حال تھا، میں اہتمام چاہتا نہیں تھا، اور یہ حضرات مانتے نہیں تھے۔ ❷

❶ حیات طیب، مرتبین غلام نبی قاسمی رمحمد شکیب قاسمی، ج ۱ ص ۱۳۵، حجۃ الاسلام اکیڈمی دیوبند، ط ۲۰۱۴ء

❷ دارالعلوم دیوبند کے پچاس مثالی شخصیات، از رشحات قلم حکیم الاسلام محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، مرتب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۵،۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۱۹۳۰ء سے لیکر ۱۹۸۰ء تک پچاس سال وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے، لیکن اس کے بعد جب حضرت مدنیؒ کے جانشینوں اور متعلقین سے ان کا اختلاف شدید ہوا، تو باوجود اس کے کہ ایک طرف وہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے تھے، اور ساتھ ان کے دور اہتمام پچاس سال پر محیط تھا، لیکن پھر بھی ان کو دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونا پڑا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے مزاج کے اصل وارث حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مدنیؒ تھے، ان کے یا ان کے جانشینوں کے ساتھ جس کا اختلاف ہوا تو بالآخر اس کو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہونا پڑا۔

جہاں تک حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علیٰحدگی کا تعلق ہے، تو اس کی وجہ کوئی سیاسی مسئلہ یا مستقل کوئی اختلاف نہیں تھا، بلکہ اس کی وجہ ان کا مدرسہ کی انتظامیہ سے انتظامی امور میں اختلاف تھا، وہ اس طرح کہ کچھ طلبہ نے ناظم مطبخ مولانا گل محمد مرحوم کو زدوکوب کیا تھا، اس کی بنا پر انتظامیہ نے پانچ طلبہ کے نکالنے کا فیصلہ کیا تھا، اس پر ان کے ہمنوا طلبہ نے "لجنۃ الاتحاد" کے نام سے ایک جماعت قائم کی، اور اپنے مطالبات کے لئے تحریک شروع کی، یہاں تک کہ کئی مرتبہ اسٹرائک (تعلیمی ہڑتال) کرنے کی کوشش کی، حضرت شاہ صاحبؒ ان کے نکالنے اور اخراج کے حق میں نہیں تھے، بلکہ ان کے مطالبات کی حمایت میں مسجد میں تقریریں کیں، اس پر ان کا اور ان کے ہم خیال اساتذہ مثلاً حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا انتظامیہ سے اختلاف شروع ہوا، جس کے نتیجے میں حضرت شاہ صاحبؒ اور مفتی صاحبؒ کو ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہونا پڑا۔ ❶

(ب) محقق عظیم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مریدین اور متعلقین میں سے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کو جو برتاؤ تھا، اس کے بارے میں حضرت اعظمی صاحبؒ فرماتے ہیں: زیارتوں کا

❶ تاریخ دارالعلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ء، ج ۲ص ۲۶۹...۲۷۴، المیزان لاہور، ط ۲۰۰۵ء

سلسلہ بہت طویل ہے، اوراس کی مدت تیس سال سے زیادہ ہے، مگراس پوری مدت میں ''باوجود کہ میرا تعلق بیعت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، اور حضرت (مدنی) مرحوم کو اس کی اطلاع بھی تھی'' میں نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ حضرت مرحوم نے اپنے اخص خواص تلامذہ ومریدین ومحبین کی نسبت سے کچھ کم اعتماد ومحبت وشفقت اس حقیر پر فرماتے ہیں۔ میں حضرت کی اس بلندئی اخلاق سے بہت زیادہ متاثر تھا اور ہوں۔ ❶

فدا ہو آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل ایک

اس کے علاوہ حضرت مدنیؒ نے سیاسی اختلاف کے باوجود حضرت تھانویؒ کے ساتھ تعلق کو نبھا کے رکھا، اور وقتاً فوقتاً ان کی زیارت اور ملاقات کے لئے ان کے پاس تھانہ بھون تشریف لیجاتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا: کہ اگرچہ حضرت مدنیؒ کو حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک سے اختلاف تھا لیکن ان کے قلب میں نہ صرف حضرت تھانویؒ کی قدر ومنزلت کم نہ تھی، بلکہ وہ حضرت تھانویؒ کے ساتھ اپنے بڑوں جیسا معاملہ ہی فرماتے تھے۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ عین اس زمانے میں جب کہ حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کا سیاسی اختلاف الم نشرح ہو چکا تھا، ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے دیوبند کے بعض اساتذہ سے کہا کہ عرصہ ہوا ہمارا تھانہ بھون جانا نہیں ہوا، اور حضرت تھانوی کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔ چنانچہ حضرت مدنیؒ اور دارالعلوم کے بعض دوسرے اساتذہ جن میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی ساحبؒ کا اسم گرامی احقر کو یقینی طور پر یاد ہے باقی کا یاد نہیں، تھانہ بھون روانہ ہوئے، اتفاق سے گاڑی رات گئے تھانہ بھون پہنچی۔ اور یہ حضرات ایسے وقت خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے کہ خانقاہ بند ہو چکی تھی، ان حضرات کو معلوم تھا کہ خانقاہ کا نظام الاقات مقرر ہے۔ اس لئے نہ اس نظام کی خلاف ورزی مناسب سمجھی اور نہ حضرت تھانویؒ کو رات گئے تکلیف دینا پسند آیا، اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی قدس سرہ کو بڑا جفاکش اور مجاہدانہ زندگی کا

❶ مقالات ابوالمآثر، مرتب مسعود الاعظمی، ج ۲ ص ۲۴۳، دارالثقافۃ الاسلامیۃ مئوانڈیا، ط ۲۰۱۴ء

عادی بنایا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے رفقاء سمیت خانقاہ کے دروازہ کے سامنے چبوترے ہی پر لیٹ کر سو گئے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ فجر کی اذان کے وقت جب اپنے مکان سے خانقاہ کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ باہر چبوترے پر لیٹے ہیں، اندھیرے میں صورتیں نظر نہ آئیں، چوکیدار سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، قریب پہنچ کر دیکھا تو حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے حضرات تھے۔ حضرت تھانویؒ نے اچانک انہیں دیکھا تو مسرور بھی ہوئے اور اس بات کا صدمہ بھی ہوا کہ یہاں پہنچ کر اس حالت میں انہوں نے رات گزاری، چنانچہ ان سے پوچھا کہ ”حضرت! آپ یہاں کیوں سو گئے“ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ”ہمیں معلوم تھا کہ آپ کے یہاں ہر چیز کا نظم مقرر ہے، خانقاہ اپنے مخصوص وقت پر بند ہو جاتی اور پھر نہیں کھلتی“ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ”خانقاہ کا نظم تو بلاشبہ یہی ہے، لیکن غریب خانہ تو حاضر تھا اور اس پر تو آپ جیسے حضرات کیلئے کوئی پابندی نہ تھی“ حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ ”ہم نے رات گئے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ غرض اس طرح یہ حضرات تھانہ بھون گئے، اور ایک دو روز رہ کر واپس تشریف لے آئے۔ ❶

اسی طرح آج بھی آپ کو یہ فرق اس طرح محسوس ہوگا کہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب تھانوی حضرات کے پاس موقع بموقع دار العلوم کراچی اور بڑے حضرات سے ملاقات اور مشاورت کے لئے ان کی قیام گاہ پر تشریف لاتے ہیں، لیکن ہم نے نہیں سنا ہے کہ یہ حضرات بھی کبھی ان کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان تشریف لے گئے ہوں۔

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ مدنی حضرات نے اختلاف کے باوجود ہمیشہ تھانوی حضرات کے ساتھ تعلق برقرار رکھنے اور فاصلے کم کرنے کی کوشش کی، جبکہ دوسری طرف سے فاصلے کم کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، بلکہ ان کی طرف سے تعلقات بھی سرد رہے۔

۶......اپنوں سے بیگانگی

تھانوی حضرات میں یہ صفت بھی عموماً پائی جاتی ہے کہ انہوں نے ان دیوبندی

❶ اکابر دیوبند کیا تھے؟، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۸۴، ۸۵، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ۲۰۱۸ء

حضرات سے دوری اختیار کی ہوئی ہے جو مزاج یا سیاسی رائے میں تھانوی حضرات سے اختلاف رکھتے ہوں، ان کی بنسبت دوسرے مکاتب فکر والوں کے ساتھ اچھی طرح تعلقات استوار کئے ہوتے ہیں۔

ہمارے دورہ حدیث کے سال جماعت اسلامی کے سابق امیر جناب قاضی حسین احمد صاحب مرحوم دارالعلوم کراچی میں تشریف لائے تھے،تو اس وقت بڑے حضرات نے ان کا اچھی طرح استقبال بھی کیا، اوران کو مسجد میں طلبہ میں بیان کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔اسی طرح کچھ سالوں کے بعد پرویز مشرف کے دست خاص اوران کی کابینہ کے وزیرداخلہ معین الدین حیدر صاحب دارالعلوم تشریف لائے،تو ان کو بڑا پرٹوکول دیتے ہوئے طلبہ میں ان کو بھی بیان کا موقع دیا گیا۔لیکن قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اوراسی طرح قائد سپاہ صحابہ حضرت مولانا اعظم طارق شہیدؒ کئی بار دارالعلوم تشریف لا چکے ہیں،لیکن ہمارے علم کے مطابق ان کو طلبہ میں بیان کرنے کا کبھی بھی موقع نہیں دیا گیا ہے۔

اسی طرح ہمارے زمانے میں جماعت اسلامی کے سابق رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا عبدالرحیم چترالی صاحب مرحوم دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے،تو بڑے حضرات ان کے ساتھ ہو کر ان کو پورے مدرسے کا ویزٹ اور سیر کرایا گیا، جبکہ اس کے برخلاف جمعیت علماء اسلام کے کئی رہنما، اراکین قومی اسمبلی اور جمعیت کے وزراء جب تشریف لاتے تو اپنی قیام گاہ تک ان کو مخصوص کرکے مدرسے کے سیر اور ویزٹ نہیں کرایا جاتا۔ان کے علاوہ بھی کئی مثالیں ہیں جو ’’غیروں سے یاری اور اپنوں سے بیگانگی‘‘ پر دلالت کرتی ہیں۔

حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے بہت پہلے اپنے ساتھیوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا مودودیوں سے تعلق رہا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مفتی محمد شفیع نے مودودی سے اپنی ساز باز اور وابستگی قائم کی، اورصرف مودودی کو مخالفت سے تحفظ دینے کے لئے جمعیت علماء اسلام کو پہلے معطل رکھا، پھر مفتی محمود کے حوالے کر دیا، پھر مفتی محمود نے مودودی کے خلاف آواز بلند کی تو پھر منّت سماجت کرکے مرکزی جمعیت علماء اسلام کو زندہ

کیا گیا۔ مرکزی جمعیت کے کے ذریعے مفتی محمود کا کافی زور ٹوٹا، مگر ہمارے تمام ساتھی در پردہ مفتی محمد شفیع کی وساطت سے جماعت اسلامی کے ایجنٹ نکلے۔ ❶

۷......دار العلوم دیوبند سے تھانوی حضرات کی علیحدگی

ایک زمانہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ دار العلوم دیوبند کے سرپرست تھے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ صدر مہتمم اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اور استاذ حدیث تھے، ان حضرات کا موقف تھا کہ دار العلوم دیوبند کے اندر سیاست اور سیاسی سرگرمی نہیں ہونی چاہئے، جبکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ کا موقف ان کے موقف برخلاف تھا، اور اس کے علاوہ سیاسی موقف میں بھی ان کا ان حضرات سے اختلاف تھا، وہ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء ہند کے بھی صدر اور سیاست ہند کے ایک اہم رہنما اور قائد تھے، اس لئے ان کی وجہ سے دار العلوم دیوبند بھی سیاست ہند کا ایک بڑا مرکز ہوا کرتا تھا، جس طرح ان سے پہلے ان کے استاذ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ کے زمانہ میں دار العلوم دیوبند سیاست اور تحریکات کا مرکز تھا۔ اس موقف کے اختلاف میں جب دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے موقف کو اپنایا گیا تو اس کی وجہ سے ان دوسرے حضرات کو یکے بعد دیگر دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہونا پڑا، جو بظاہر تو استعفا کی صورت تھی لیکن حقیقت میں یہ دار العلوم دیوبند سے ان کے اخراج اور علیحدہ کرنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ایک تو خود مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی علیحدگی کے سبب حضرت مدنیؒ سے اختلاف بتایا ہے، اور دوسرا یہ کہ ان کی علیحدگی پر حضرت حکیم الامتؒ نے افسوس کا اظہار فرمایا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دار العلوم دیوبند سے اپنے استعفا کے

---

❶ پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویر الحق، ص ۳۱۳، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط ۲۰۰۹ء

بارے میں فرماتے ہیں: ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ سے فیض پایا اور ہر سال کئی کئی ماہ ان کی صحبت میں گزرتے رہے، ۱۳۴۹ھ میں حضرت تھانویؒ نے بیعت مجاز قرار دیا۔ حضرت مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ ۱۳۶۲ھ میں جب دار العلوم سے استعفیٰ دے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک عربی شعر قدرے تصرف سے پڑھا جس کا مطلب یہ تھا ''لوگوں نے تجھے اپنے ہاتھوں سے کھودیا وہ کیسے عظیم انسان کو کھو بیٹھے''۔ دار العلوم دیوبند سے علیٰحدگی مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی روش سے اختلاف کا نتیجہ تھا۔ ❶

۸...... جمعیت علماء اسلام کے تسلسل سے انکار

۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک علماء کی سیاسی جماعت صرف ایک جماعت تھی یعنی جمعیت علماء ہند، جس کا فارمولا متحدہ قومیت کا تھا۔ یہ متحدہ ہندوستان کی حامی جماعت تھی، اس کے مقابلے میں جب دوسرے بعض علماء تقسیم کے حامی نظر آئے تو انہوں نے دوسرے نام سے سیاسی جماعت قائم کرنے کی کوشش کی، اور بالآخر مولانا راغب احسن صاحبؒ کی کوششوں سے ۱۱ جولائی ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کے نام سے علماء کی ایک دوسری سیاسی جماعت وجود میں آئی۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں فیصلہ کیا گیا کہ جمعیت علماء اسلام کی صدارت حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جو اس کانفرنس میں شریک نہیں تھے، کو تفویض کی جائے۔ حضرت عثمانیؒ نے ابتداء میں صدارت قبول کرنے سے عذر کیا لیکن علماء کے اصرار پر دسمبر ۱۹۴۵ء میں منصب صدارت کو قبول فرمایا، اور یہاں سے جمعیت علماء اسلام کا سفر شروع ہوگیا۔ ❷

تو جمعیت علماء اسلام کے سب سے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سب سے پہلے

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، سوشلزم اور سرمایہ داری، ج ۵ ص ۱۲۱، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۱۳، ۲۰۱۳ء

❷ کمالات عثمانی۔ تجلیات عثمانی۔، پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۶۱۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۰، ۵۶۱، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، طن

ناظم اعلیٰ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ رہے ہیں۔ ❶

اس سے معلوم ہوا کہ ''جمعیت علماء اسلام'' کو بنیادی طور پر تھانوی حضرات نے قائم کی تھی، لیکن کیا موجودہ جمعیت علماء اسلام اس جمعیت علماء اسلام کا تسلسل ہے، یا نہیں؟ تو استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی کے بقول موجودہ جمعیت علماء اسلام اس جمعیت علماء اسلام کا تسلسل نہیں ہے، یہ اس سے الگ جماعت ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ موجودہ جمعیت علماء اسلام وہ جمعیت نہیں ہے جس نے قیام پاکستان کی جدوجہد کی تھی اور جس کی بنیاد علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی تھی، اس جمعیت کا مارشل لاء کے بعد احیاء نہیں کیا گیا، موجودہ جمعیت علماء اسلام ایک دوسری جماعت ہے جو قیام پاکستان کے بہت بعد قائم ہوئی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم اس جماعت کے کبھی رکن نہیں رہے، اور نہ اس کی پالیسی میں حضرت مدظلہم کے مشوروں کا کوئی دخل ہے، لہذا اس کے کسی قول وفعل کی ذمہ داری اُن پر عائد نہیں ہوتی۔ ❷

اگر یہ بات تسلیم کی جائے کہ موجودہ جمعیت علماء اسلام وہ جمعیت نہیں جو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے قائم فرمائی تھی، تو پھر کوئی طالب العلم یہ سوال کرسکتا ہے کہ علامہ عثمانیؒ کی قائم کردہ جمعیت اِس زمانے میں کونسی ہے؟ پھر علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء قیامت کے دن اپنے پیروکاروں سے اس سوال اور مطالبے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہمارے نام لیتے ہوئے پھر بھی تم لوگوں نے ہماری جدوجہد پر پانی پھیر دیا ہے، کہ ہماری قائم کردہ ایک سیاسی جمعیت کو کیوں برقرار نہ رکھ سکے؟

اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اشخاص کے تبدیل ہونے کے باوجود موجودہ جمعیت علمائے اسلام اس جمعیت کا تسلسل ہے جس کی بنیاد علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب ؒ نے رکھی تھی۔ جمعیت علماء اسلام کے منشور میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ اور تفسیر میں میرے

❶ اکابر علماء دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص۲۱۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ط۱۹۹۹ء

❷ فتاوی عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، ج۳ص۵۲۰، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ط۲۰۱۰ء

استاذ محترم اور محقق مذہبی سکالر اور علم سیاست کے مرد میدان سابق رکن قومی اسمبلی حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ صاحب (حالاً مقیم امریکہ) نے اس بارے میں بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی اور موجودہ جمعیت علماء اسلام کو اسی جمعیت کا تسلسل قرار دیا ہے جس کی بنیاد علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اور ان کے رفقاء نے رکھی تھی، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: وہ علماء کرام جو تقسیم کو ضروری قرار دے رہے تھے اور مسلم لیگ کے تقسیم والے مطالبہ کا ساتھ دے رہے تھے انہوں نے جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی، ان میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے نام قابل ذکر ہیں۔ جب پاکستان بنا تو اس کے مغربی حصہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مشرقی حصہ میں مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے پاکستان جھنڈا لہرایا، اور یوں تحریک پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ سب سے پہلے پاکستان کے دستور میں قرارداد مقاصد کے نام پر راہنما اصول مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے وضع کردہ اور پیش کردہ ہیں جو آج آئین کا حصہ ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد جمعیت علماء ہند کے صدر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پاکستان میں اپنے پیروکاروں سے کہا: ''کہ دستوری لحاظ سے اب آپ لوگ علیحدہ ہو گئے لہذا آپ جمعیت علماء اسلام کے نام سے اپنے آپ کو منظم کر کے اسلام اور پاکستان کی خدمت کریں، کیونکہ کسی مجوزہ جگہ پر مسجد کی تعمیر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن مسجد بننے کے بعد اس سے کسی اختلاف کی گنجائش نہیں''...۱۹۵۲ء میں جمعیت علماء اسلام کے امیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ منتخب ہوئے اور ان کے ساتھ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ناظم عمومی منتخب ہوئے...... پھر اس وقت غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے ذریعے ایک دستور وضع کر کے پاس کیا تھا، اس پر غور وحوض کے لئے ملتان میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے حکم پر ایک کنونشن کا انعقاد کیا گیا، اس موقع پر انتخاب بھی عمل میں لایا گیا۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ امیر اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم عمومی قرار

پائے...۱۹۶۲ء میں مارشل لاء ختم ہوا تو حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے قائم مقام امیر کی حیثیت سے جمعیۃ کے احیاء کا اعلان کیا اور انتخاب ہوا، حضرت درخواستیؒ امیر اور مولانا غلام غوث ہزارویؒ ناظم مقرر ہوئے۔ ❶

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے موجودہ جمعیت جس کی صدارت پر بعد حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ فائز تھے، کو علامہ شبیر احمد علامہ شبیر احمد کی جمعیت کے تسلسل قرار دیا ہے، وہ حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے حالات میں لکھتے ہیں: آپ کی ذات مرجع خواص وعوام تھی، تحریک خلافت اور جمعیت علماء ہند میں شامل رہے۔ تقسیم کے بعد شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ارادہ فرمایا اور جمعیت علماء اسلام میں شامل ہوئے۔ ❷

دار العلوم کراچی کے سابق استاذ حضرت مولانا مفتی محمد منصور احمد صاحب نے بھی موجودہ جمعیت علماء اسلام کو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی جمعیت کا تسلسل قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جمعیت علماء اسلام، اس نام سے سب سے پہلے کلکتہ میں ۱۹۴۵ء میں یہ جماعت قائم کی گئی اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو اس کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو حضرت عثمانیؒ کے انتقال کے بعد علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کے صدر مقرر ہوئے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو سید صاحب کی رحلت کے بعد حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کے صدر منتخب ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد مفتی محمد حسنؒ اس کے صدر اور حضرت مفتی محمد شفیعؒ اس کے نائب صدر مقرر ہوئے...۱۹۵۴ء کو حضرت مفتی محمودؒ نے ملتان میں علماء کنونشن بلایا تھا جس میں جمعیت علماء اسلام کو متحرک کرنے پر غور کیا گیا۔ ایوبی مارشل لاء کے دوران یہ جماعت نظام العلماء کے

❶ جمعیت علماء اسلام ایک دینی سیاسی جماعت، تعریف اور تعارف، مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ، ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، المحمود اکیڈمی پشاور، ط ۱۹۹۱ء، اسلامی منشور، ص ۶، ۷، جمعیت علماء اسلام پاکستان، ط ۱۹۸۷ء

❷ دار العلوم دیوبند کے پچاس مثالی شخصیات، از رشحات قلم حکیم الاسلام محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، مرتب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۱۵۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

نام سے اصلاحی وتبلیغی خدمات سرانجام دیتی رہی۔حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے انتقال (۱۹۶۱ء) کے بعد حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ امیر اور حضرت مفتی محمودؒ کو جنرل سیکرٹری بنایا گیا۔ ❶

۹......اختلاف دراختلاف

تھانوی حضرات کے بارے میں عموماً یہ خیال رہا ہے کہ وہ اختلاف سے بہت زیادہ پرہیز کرتے ہیں، اور اتحاد اور وحدت امت کے بڑے داعی ہیں، جبکہ مدنی حضرات کے بارے میں اس طرح کی رائے نہیں پائی جاتی ہے۔حالانکہ اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو معاملہ برعکس معلوم ہوگا، مدنی حضرات نے ہمیشہ اتحاد اور قریب ہونے کی کوشش کی ہے،اس کے برخلاف تھانوی حضرات نے تقریباً ہر دور میں اختلاف اور الگ تھلگ رہنے کی کوشش اور مظاہرہ کیا ہے۔ہم یہاں پر چند مثالیں تحریر کرنا چاہتے ہیں جن سے ہماری بات اور مدعی کی تصدیق ہوسکتی ہے۔

ا......۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی مخالفت: دارالعلوم دیوبند کے قیام سے پہلے متحدہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں فرنگی کے خلاف جو جہاد اور جنگ آزادی لڑی گئی تھی اس کی قیادت حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا مفتی رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا حافظ محمد ضامن شہیدؒ، اور ہمارے دیگر اکابر کررہے تھے، لیکن ہمارے ایک دوسرے بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی صاحبؒ اس کے مخالف تھے۔ ❷

اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر حضرت شیخ محمد تھانویؒ کا اثر تھا، جس کی وجہ سے حضرت حکیم الامت تھانویؒ بھی تحریکات کے مخالف رہے ہیں۔ چنانچہ ان کے تعلق اور اثر کے بارے میں اشرف السوانح میں یہ تفصیل مذکور ہے: حضرت شیخ محمد تھانویؒ

❶ انار کے درخت تلے، مولانا محمد منصور احمد، ص ۸۷، ۸۸، مکتبۃ الشہداء کراچی، ط ۱۴۳۰ھ

❷ سوانح قاسمی، علامہ سید مناظر احسن گیلانی متوفی ۱۹۵۶ء، ج ۲ ص ۱۲۳، مکتبہ دارالعلوم دیوبند، ط ن، نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ا ص ۴۵۱، ۴۵۲، دارالاشاعت کراچی، ط ن

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے متعلق لڑکپن ہی میں جب حضرت والا (حکیم الامتؒ) مکتب میں پڑھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعد یہ لڑکا میری جگہ ہوگا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا کہ بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس قصبہ میں اب حضرت حکیم الامت ہی کی ذات گرامی علوم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ مولانا ممدوح (شیخ محمد تھانویؒ) کو حضرت حکیم الامت سے خاص تعلق تھا، یہاں تک کہ بعد وفات بھی حضرت والا سے عالم رؤیا میں فرمایا کہ ہم کو تو تمھاری طرف اب بھی ویسی توجہ ہے جیسی حیات میں تھی۔ ❶

۲......تحریک ترک موالات کی مخالفت: ہندوستان میں انگریز حکومت کے خلاف ۱۹۲۰ء میں علماء اور دوسرے لیڈران قوم نے ایک تحریک ترک موالات کے نام سے چلائی جس کا مطلب تھا کہ انگریزوں کے ساتھ تعاون اعتقاداً و عملاً ترک کر دیں جس کی صورت یہ ہوگی کہ (الف) ہر صادق اور غیرت مند مسلمان سرکاری اعزازوں اور خطابات کو واپس کر دے، (ب) ملک کی کونسلوں میں شریک ہونے سے انکار کر دے، (ج) صرف اپنی ملکی اشیاء اور مصنوعات کا ستعمال کرے، (د) سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں اپنے بچوں کو داخل نہ کرے۔ ترک موالات کی مذکورہ عبارت حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمود الحسنؒ کے دستخط سے جاری ہوئی اور پھر پانچ سو علماء کے متفقہ دستخطوں سے فتویٰ کی صورت میں شائع ہوئی۔ ❷

حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء اور ہمنوا نے اس وقت ترک موالات کا جو فتویٰ دیا تھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی تحریک ترک موالات کے سخت حامی تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے انھوں نے ترک موالات کا فتویٰ مرتب کیا اور حضرت شیخ الہندؒ کو ان کا لکھا ہوا فتویٰ بہت پسند آیا اور فرمایا کہ میں اگر لکھتا تو وہ بھی اس کے قریب ہوتا جو شبیر (علامہ شبیر احمد عثمانی) نے لکھا۔ ❸

❶ اشرف السوانح، مرتبین خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ و مولانا عبد الحقؒ، ج ا ص ۵۵، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ ❷ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷، ج ۲ ص ۶۷۵، دار الاشاعت کراچی، ط ن ❸ حیات عثمانی، پروفیسر مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۳۰۳، ۳۰۴، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۱۹۸۸ء

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس مسئلے میں اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ اور جمہور علماء کی سخت مخالفت کرتے ہوئے ترک موالات اور عدم تعاون کو ممنوع اور فتنہ قرار دیا تھا۔ ❶

۳.....تحریک خلافت کی مخالفت: ۲۰،۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں ایک تحریک ''تحریک خلافت،، کے نام سے چلی جس کا مقصد تھا ترکی میں خلافت عثمانی کے استحکام اور اس کے تحفظ کے لئے ہندوستان میں منظّم کوشش کرنا۔ اس طرح انگریز کا ترکی میں جنگ مسلط کر دینے اور خلافت عثمانی کے خلاف غیر مسلم کو بھڑکا دینے اور بغاوت پھیلانے کے خلاف منظّم اعمال انجام دینے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا، اسی کا نام تحریک خلافت ہے۔ ❷

اس تحریک کو شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ اور ہندوستان کے دوسرے علماء کی تائید اور سرپرستی حاصل تھی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس تحریک خلافت میں فعال کردار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان کی حیثیت سے ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا اور بلند پایہ تقریریں کیں۔ خلافت کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے اور تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہندؒ اور علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے رہے۔ ❸

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے مخالف تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے رائے میں (حضرت حکیم الامت کی) مخالفت کی، اور پورے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام حضرت والا سے رائے کا اختلاف رکھتے تھے۔ ❹

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۲۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ ❷ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۴۰۳، بیت العلوم لاہور، ط ن

❸ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۹..۵۹۲، دارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ ❹ مجالس مفتی اعظم، مفتی عبد الرؤف سکھروی، ص ۵۳۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء

اگر چہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے شیخ سے عقیدت کی بنا پر مخالفت کی نسبت دوسرے علماء کی طرف کی ہے، لیکن حقیقت میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے اس مسئلے میں جمہور علماء بشمول اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی مخالفت کی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بھانجے حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے ایک مکتوب میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں آشکارا کیا ہے: میری نظر میں تحریک خلافت کا وہ دور بھی ہے جس میں حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے میں منفرد تھے، اور اپنے استاذ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ ❶

۴...... تحریک ریشمی رومال وغیرہ تحریکات سے الگ رہنا: ایک دفعہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا عبد الرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جمع کر کے تحریک کے سلسلے میں اس وقت کے تقاضے اور ضرورتیں سامنے پیش کیں، دوسرے حضرات نے تحریک کے سلسلے میں ان کی موافقت کی، اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کر لی۔ ❷

۵...... جمعیت علماء ہند سے الگ تھلگ رہنا: جمعیۃ علماء ہند جو حضرت شیخ الہندؒ کی سر پرستی میں وجود میں آئی تھی، اور متحدہ ہندوستان کے تقریباً تمام علماء اس میں شامل تھے، حتی کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک زمانہ تک اس کے رکن رکین رہے ہیں۔ قیام جمعیۃ علماء ہند ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک وہ جمعیۃ علماء ہند کے پر جوش رہنماء تھے، اور اکثر اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے ان کی دھواں دار تقریروں سے پورا مجمع لطف اٹھاتا۔ ❸

❶ پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویر الحق، ص ۳۰۵، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط ۲۰۰۹ء ❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۷، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، ط ن ❸ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۱۲، ۶۱۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس جماعت میں شریک اور شامل نہیں تھے۔

بندہ کے ناقص مطالعے کے مطابق اکابرین دار العلوم دیوبند میں سب سے پہلی شخصیت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ہے جس نے بہت سے سیاسی اور ملکی مسائل میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی مخالفت کی ہے، اور یہ مخالفت اس حد تک شدید بھی ہوئی ہے کہ استاذ حضرت شیخ الہند تحریک ترک موالات کو ضروری قرار دیتے ہیں، اور شاگرد حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس کو ممنوع اور فتنہ قرار دیتے ہیں۔

۶...... جمعیت علماء اسلام کا قیام: متحدہ ہندوستان میں سیاسی طور پر علماء دیوبند کی صرف ایک جماعت ''جمعیت علماء ہند'' تھی، اسی دوران تقسیم ہند کے مسئلے پر اکابرین میں اختلاف رائے سامنے آیا، تو تھانوی حضرات نے نہ صرف اختلاف رائے کا اظہار کیا، بلکہ پاکستان بننے سے دو سال پہلے ۱۹۴۵ء میں جمعیت علماء ہند کے مقابلے میں ایک نئی تنظیم جمعیت علماء اسلام کے قیام کا فیصلہ کیا۔ مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ نے اس کے قیام پر بڑے سخت الفاظ کے ساتھ تبصرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ہندوستان میں مولویوں اور پیرزادوں کی ایک جماعت ہے، جو ہمیشہ سے علماء دیوبند کے مخالف ہے، اس کو سیاسیات سے کوئی دلچسپی نہیں، ان میں نہ کوئی سیاسی احساس ہے، نہ ان کا کوئی نظم ہے۔ مگر اس موقع پر جمعیت علماء ہند کے مقابلہ کے لئے لیگ کو ان کی ضرورت تھی، اور علماء دیوبند اور ان کے ہم نواؤں کی منظّم مخالفت کے لئے ان کے واسطے لیگ کا نظام بسا غنیمت تھا۔ لہذا کلکتہ میں ایک شہرہ آفاق مولانا کی زیر سر کردگی ان حضرات کا اجتماع ہوا، اور جمعیت علماء اسلام قائم کر دی گئی۔ (۱)

۷...... مرکزی جمعیت علماء اسلام کا قیام: جب تھانوی حضرات کی کوششوں اور

(۱) حیات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۱۵۸، ۱۵۹، مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ لاہور، ط ن

سر پرستی سے جمعیت علماء اسلام قائم ہوئی، اور اس دوران پاکستان بھی معرض وجود میں آیا، تو مدنی حضرات نے بڑی وسعت ظرفی سے کام لیتے ہوئے پاکستان میں دوسرے نام سے ایک نئی جماعت قائم کرنے کے بجائے تھانیوں کی قائم کردہ جماعت ''جمعیت علماء اسلام'' میں ضم اور شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ استاذ محترم حضرت مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: پاکستان بننے کے بعد جمعیت علماء ہند کے صدر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے پاکستان میں اپنے پیروکاروں سے کہا: ''کہ دستوری لحاظ سے اب آپ لوگ علیحدہ ہو گئے لہذا آپ جمعیت علماء اسلام کے نام سے اپنے آپ کو منظم کر کے اسلام اور پاکستان کی خدمت کریں، کیونکہ کسی مجوزہ جگہ پر مسجد کی تعمیر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن مسجد بننے کے بعد اس سے کسی اختلاف کی گنجائش نہیں''۔ ❶

۱۹۴۹ء میں جمعیت علماء اسلام کے صدر اول حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا سانحہ انتقال پیش آیا، اور کچھ عرصہ تھانوی حضرات ایک دوسرے کے بعد صدر بنے، لیکن بالآخر علماء کی اکثریت نے حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا جمعیت علماء اسلام کے امیر اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کا ناظم عمومی کے طور پر انتخاب اور چناؤ کیا، یہ سیاسی طور پر علماء دیوبند کے متحد ہونے کا ایک اچھا موقع تھا، کہ مدنی حضرات نے تھانوی حضرات کی قائم کردہ جماعت کو نہ صرف تسلیم کیا، بلکہ الگ جماعت بنانے کے بجائے اس میں ضم ہونے اور اسی جماعت سے سیاسی خدمات سرانجام اور ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا، اور تھانوی حضرات نے ایک بار پھر ایک لفظ کے اضافے کے ساتھ ''مرکزی جمعیت علماء اسلام'' کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی۔ اور اسی نام سے اپنی جماعت کے منشور اور مقاصد کا اعلان کیا۔ ❷

❶ جمعیت علماء اسلام ایک دینی سیاسی جماعت، تعریف اور تعارف، مولانا قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ، ص ۱۸، المحمود اکیڈمی پشاور، ط ۱۹۹۱ء

❷ دیکھیں ''جواہر الفقہ'' مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ، ج ۵ ص ۱۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

۸......آپس کا اختلاف وانتشار: پاکستان میں مرکزی جمعیت علماء اسلام کو پزیرائی نہیں ملی، کچھ عرصہ تک برائے نام جماعت قائم رہی، اس دوران تھانوی حضرات کی طرف سے ایک دوسری جماعت ''نظام اسلام پارٹی'' کے نام سے قائم کی گئی۔ لیکن بالآخر تھانوی حضرات کا آپس میں اختلاف شروع ہوا، ایک طرف مفتی محمد شفیع صاحبؒ اوران کے ساتھ کچھ علماء مرکزی جمعیت علماء اسلام میں تھے، جبکہ دوسری طرف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھانجے اور تھانوی حضرات کے متحرک رہنما حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اس اختلاف اور انتشار کی وجہ سے مرکزی جمعیت علماء اسلام اور نظام اسلام پارٹی دونوں جماعتوں سے سبکدوش ہوگئے۔ اوراس انتشاراوراختلاف کی وجہ سے مرکزی جمعیت علماءاسلام اورنظام اسلام پارٹی دونوں جماعتیں ایسی معدوم ہوگئیں کہ اب ان کا نہ تذکرہ ہوتاہے، اورنہ نئی نسل ان سے واقفیت رکھتی ہے۔

حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے اس موقع پر دونوں جماعتوں سے اپنی سبکدوشی کی وضاحت اورحضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پرسخت تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مفتی محمد شفیع نے مودودی سے اپنی ساز باز اور وابستگی قائم کی، اورصرف مودودی کومخالفت سے تحفظ دینے کے لئے جمعیت علماء اسلام کو پہلے معطل رکھا، پھر مفتی محمود کے حوالے کردیا، پھرمفتی محمود نے مودودی کے خلاف آواز بلند کی تو پھر منّت سماجت کرکے مرکزی جمعیت علماءاسلام کوزندہ کیا گیا۔ مرکزی جمعیت کے کے ذریعے مفتی محمود کا کافی زورٹوٹا، مگر ہمارے تمام ساتھی درپردہ مفتی محمد شفیع کی وساطت سے جماعت اسلامی کے ایجنٹ نکلے، جس کی وجہ سے میں نے نظام اسلام اورمرکزی جمعیت سے سبکدوشی اختیار کرلی۔ (1)

یہ تھانوی حضرات کے اختلاف دراختلاف کی چند بڑی مثالیں تھیں، ان کے علاوہ مختلف مواقع پر اختلاف کرنے اور پیدا کرنے کی اور بھی بہت مثالیں ہیں، جن کے ذکر

(1) پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویرالحق، ص۳۱۴، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط۲۰۰۹ء

کرنے سے کتاب میں طوالت پیدا ہوگی، اس لئے انہیں پر اکتفا کرنے کو مناسب سمجھا۔اور اب بھی ان اختلافات کے اثرات تھانوی حضرات پر ظاہر ہیں، کہ باوجود اس کے کہ اس وقت ان کی سیاسی جماعت بھی نہیں ہے، اور مدنی حضرات کی طرف سے ان کو قریب کرنے اور اپنے ساتھ ملانے کی کوششیں بھی جاری رہی ہیں، لیکن پھر بھی ان حضرات نے نہ صرف دوری اختیار کی ہے، بلکہ موقع بموقع مخالفت بھی کرتے ہیں اور جمعیت کی مخالف جماعتوں کے ساتھ بھی دیتے ہیں، فالی اللہ المشتکیٰ۔

۱۰......مدارس کو سیاست سے دور رکھنا

تھانوی حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ مدارس سیاست سے بالکل پاک ہونے چاہئیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: کہ دینی تعلیمی اداروں کو سیاست سے بالکل الگ رکھا جائے، ان اداروں کے اساتذہ کو ملک کے سیاسی حالات سے نظری طور پر واقف تو رہنا چاہیے، لیکن عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔اور جب کبھی کسی تعلیمی ادارے سے تعلق رکھنے والا کوئی عالم یہ محسوس کرے کہ اس کا عملی سیاست میں حصہ لینا ضروری ہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے اس ادارے سے مستعفی ہو جائے، اور پھر سیاسی خدمات انجام دے۔حضرت والد (مفتی محمد شفیع) قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دار العلوم دیوبند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن جب حضرت شیخ الہندؒ آزادی ہند کے سلسلے میں تحریک خلافت میں مؤثر حصہ لینے لگے تو دار العلوم سے الگ ہو گئے۔ ❶

اس بارے میں ہم پہلے حضرت شیخ الہندؒ کے طریقہ اور عمل کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، اور پھر ان کے بعد دار العلوم دیوبند کے چند دوسرے شیوخ الحدیث کے طریقہ کار کو بھی تحریر کریں گے تا کہ یہ معلوم اور ظاہر ہو جائے کہ اس بارے میں دار العلوم دیوبند کا طرز عمل کیا تھا۔

❶ میرے والد میرے شیخ اور اُن کا مزاج و مذاق، مفتی محمد تقی عثمانی ص ۱۱۷، ۱۱۸، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۴ء

حضرت شیخ الہندؒ ۱۸۷۰ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، ۱۸۷۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۱۴ء تک وہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ، صدرالمدرسین اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ان بیالیس سالوں میں تدریس کے ساتھ مختلف ادوار میں انہوں نے سیاست اورتحریکات میں سرگرم حصہ لیا۔۱۸۸۰ءکودیوبند میں ثمرۃ التربیت کا قیام،۱۹۱۰ءکودیوبند میں جمعیت الانصار کا قیام،۱۹۱۳ءکودہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کا قیام،۱۹۱۲ءکو جنگ بلقان میں مجاہدین کے لئے چندہ اورتعاون کی تحریک،۱۹۱۴ءکو یاغستان میں حاجی ترنگ زئی صاحبؒ کی زیرنگرانی انگریز کے خلاف عمومی جنگ کا اعلان۔ ❶

یہ سب امور حضرت شیخ الہندؒ نے تدریس کے ساتھ سرانجام دیئے ہیں،تدریس اور سیاست دونوں میدانوں میں مصروف عمل تھے،البتہ ۱۹۱۵ء کے بعد جب تحریک کے سلسلے میں ان کو حجاز جانا پڑا تو اس اعلی مقصد کے لئے انہوں نے عارضی طور پر ہندوستان اور تدریس کوخیرآباد کہا،کیونکہ حجاز جانے کی وجہ سے وہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات سر انجام نہیں دے سکتے تھے۔اور پھر حجاز میں گرفتار ہوکر تقریباً چارسال تک مالٹا کے جیل میں قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کر کے جب ان کو رہائی ملی،تو بیماری اور کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود حجاز روانگی سے پہلے کی طرح ان کا دوبارہ دارالعلوم دیوبند سے تعلق قائم رہا،اور رہائی کے بعد ہندوستان پہنچتے ہی اپنے گھر اور مکان کے بجائے دارالعلوم دیوبند تشریف لائے،اورایک بار پھران کودارالعلوم دیوبند کی سرپرستی تفویض کی گئی۔چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: ۱۹۰۶ء میں باجماع اہل دارالعلوم شیخ الہند حضرت مولانا محمودالحسن صاحب نوراللہ مرقدہ سرپرست تسلیم کئے گئے،جن کی نورانی آثار سے آج تک دارالعلوم کا احاطہ چمک رہا ہے۔۱۹۱۴ء میں جب آپ حجاز تشریف لے گئے،تو حضرت اقدس مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کو سرپرست تسلیم کی گیا،آپ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۸ء تک سرپرست رہے، ۱۹۱۸ء میں جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا

❶ افکار محمود،محمد فاروق قریشی،ص ۴۵، ۴۸،مفتی محمود اکیڈمی کراچی،ط ۲۰۱۷ء

سے رہا ہو کر واپس تشریف لائے، تو پھر آپ ہی ۱۹۲۰ء تک سرپرست رہے۔ ❶

اس سے بخوبی واضح ہوا کہ حضرت شیخ الہند صاحبؒ کا دار العلوم دیوبند میں ہوتے ہوئے ان کا سیاست اور تحریکات سے صرف نہ تعلق رہا، بلکہ دار العلوم دیوبند میں رہ کر انہوں کئی تحریکات کی قیادت اور سرپرستی فرمائی ہے۔ اور اسی طرز عمل کو وہ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حسب منشا دار العلوم کا مقصد قرار دیتے تھے، چنانچہ وہ فرماتے تھے: حضرت الاستاذ (نانوتویؒ) نے اس مدرسہ کو کیا درس وتدریس، تعلیم وتعلم کے لئے قائم کیا تھا؟ مدرسہ میرے سامنے قائم ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی ناکامی کے بعد یہ ارادہ کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیر اثر لوگوں کو تیار کیا جائے ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے۔ ❷

اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کے بعد ان کے شاگرد رشید علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے دار العلوم دیوبند اور اس کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس وتدریس کے ساتھ جمعیت علماء ہند کے ایک اہم رہنما کے طور پر بڑا اہم سیاسی کردار ادا کیا تھا، اور تحریک ختم نبوت کی قیادت کی ہے۔ وہ جمعیت علماء ہند کی عاملہ، مجلس شوری اور ذیلی کمیٹیوں کے رکن رکین رہے ہیں، شروع سے آخر تک حضرت شاہ صاحبؒ جمعیت علماء ہند کی مجلس عاملہ کے رکن اعلیٰ تھے، جمعیت کے اجلاسوں میں شرکت کر کے رہنمائی فرماتے رہے۔ جمعیت کی سب کمیٹی کا اجلاس ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ/ ۶ نومبر ۱۹۲۳ء بمقام دہلی منعقد ہوا جس میں یہ کہا گیا کہ قادیانی اور لاہوری احمدی جماعت دونوں کے عقائد اسلام کے منافی ہیں، ان کے متعلق ایک فتوی مرتب کیا جائے، فتوی مرتب کرنے کے لئے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور علامہ انور شاہ صاحبؒ کے نام تجویز کے گئے۔ جمعیت علماء ہند کے اجلاس ۷ شوال ۱۳۴۴ھ/ ۲۰ اپریل ۱۹۲۶ء منعقدہ دہلی میں ایک وفد کو حجاز مقدس بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا، اس وفد کے لئے

❶ تاریخ دار العلوم دیوبند، قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ء، ص ۹۳، دار الاشاعت کراچی، ط ن ❷ احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن، مولانا سید مناظر احسن گیلانی متوفی ۱۹۵۶ء، ص ۱۷۰، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ن

حضرت مفتی کفایت اللہؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو منتخب کیا گیا۔ اسی طرح ۱۹۲۷ء میں بمقام پشاور جمعیت علماء ہند کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا اس کی صدارت حضرت کشمیری صاحبؒ نے فرمائی تھی، اس میں مدارس عربیہ کے نصاب مقرر کرنے کے لئے اور تجارت اور حالات حاضرہ کے جدید مسائل کے حل کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی جس کے اراکین حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ ❶

حضرت علامہ شاہ انور شاہ کشمیریؒ کے بعد دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مقرر ہوئے، اور وہ تو میدان سیاست کا ایک سرگرم قائد و رہنما تھے، وہ ایک طرف دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، تو دوسری طرف وہ جمعیت علماء ہند کے بھی صدر رہے ہیں۔ ایک سیاسی رہنما ہونے کی وجہ سے انھوں نے دار العلوم دیوبند کی صدارت قبول کرنے کے لیے یہ شرائط پیش کیں: (الف) سیاسی خدمات کے لیے آپ آزاد ہوں گے۔ (ب) سیاسی امور میں مدرسہ کی طرف سے کوئی رکاوٹ عائد نہیں کی جائے گی۔ (ج) ہر مہینہ میں ایک ہفتہ آپ کو اختیار ہوگا کہ سیاسی مقاصد کے لیے دیوبند سے باہر دوسرے مقامات پر سفر کر سکیں جس کے لیے رخصت یا اطلاع کی بھی ضرورت نہ ہوگی، البتہ ایک ہفتہ سے زائد پر تنخواہ وضع کی جائے گی۔ یہ سب شرائط شوری والوں نے قبول فرمائیں۔ ❷

ان کے علاوہ پاکستان بننے کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ اور دیگر کئی حضرات جو بڑے مدارس کے مہتممین اور یا شیوخ الحدیث تھے، اس کے باوجود انہوں نے جمعیت علماء اسلام، مرکزی جمعیت علماء اسلام اور نظام اسلام پارٹی کے مختلف عہدوں میں رہ کر کئی عرصے تک عملی سیاست میں اپنا کردار ادا کیا، انہوں نے ان

❶ جمعیۃ العلماء کیا ہے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۱۵۶، ۲۱۵، ۲۲۴، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن

❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۳۸۲، جمعیت پبلی کیشنز لاہو، ط ن

سیاسی خدمات ادا کرتے وقت تعلیمی خدمات سے الگ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (اس وقت جب انہوں نے دارالعلوم کراچی قائم کیا تھا) کی سیاسی جدوجہد کے بارے میں فرماتے ہیں: چنانچہ صدارت جمعیۃ علماء اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نے جمعیۃ کی طرف سے تحریک دستور اسلامی کے لئے مشرقی و مغربی پاکستان کے طول وعرض کے بار بار دورے کئے، اور ضلع ضلع پہنچ کر اسلامی دستور لے لئے عوامی شعور کو بیدار کیا۔ مغربی پاکستان کا ایک دورہ جو ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء سے ۳ جنوری ۱۹۵۶ء تک جاری رہا۔ ❶

حضرت مولانا ابوالحسن ندویؒ نے اس خیال کو بڑے شدّ ومد کے ساتھ رد فرمایا ہے جس میں دارالعلوم دیوبند کا مقصد صرف تعلیم و تعلم بتایا گیا ہے، حضرتؒ نے اس خیال کو جرم اور بانی دارالعلوم کے ساتھ ناانصافی سے تعبیر فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: مسئلہ محض ایک مدرسہ اور تعلیم گاہ کے قیام کا نہیں تھا، میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم دیوبند کے حق میں جرم ہو گا، اگر کہا جائے کہ دارالعلوم چند مخصوص کتابوں کے پڑھنے پڑھانے، اور درس و تدریس کے ایک مرکز کی حیثیت سے قائم ہوا تھا اس سے بڑھ کر اس کے بانیوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوسکتی، ایسا کہنے والوں کو ان بزرگوں کی روحوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا جس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یہ محض ایک مدرسہ ہے، تو حضرت شیخ الہندؒ تڑپ اٹھتے تھے، ان کے نزدیک یہ اسلام کا ایک قلعہ، اس کے داعیوں اور مجاہدوں کی تربیت کی ایک چھاؤنی اور سلطنت مغلیہ کے گُل ہونے والے چراغ کا بدل بلکہ نعم البدل تھا۔ پھر حضرت ندویؒ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد اور طرّہ امتیاز اسلامی تہذیب اور اسلامی علوم کی حفاظت، حمیت اسلامی اور اسلام کی حفاظت کا جذبہ، اسلامی معاشرت کے قیام اور علوم دینیہ اور شریعت اسلامیہ کے لئے ایک قلعہ کی تعمیر کو قرار دے رہے ہیں۔ ❷

---

❶ حیات مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد رفیع عثمانی، ص ۱۶۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۰ء

❷ پا جا سُراغ زندگی، مولانا سید ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۱...۱۳۷، مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن

۱۱......طلبہ کے لئے سیاست کو شجرہ ممنوعہ قرار دینا

تھانوی حضرات نے مدارس میں بڑی سختی کے ساتھ طلبہ پر یہ پابندی لگائی ہے کہ وہ سیاست میں کسی طور پر حصہ نہ لیں، اور سیاست کی وجہ سے ان کا اخراج تک کی نوبت آتی ہے۔

اس بارے میں ہم نے اپنی دوسری تصنیف ''دارالعلوم دیوبند اور سیاست'' کے ''باب ششم طلباء اور سیاست'' میں تفصیلی گفتگو کی ہے، اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کا عمل بڑے اعتدال والا تھا، اور وہاں پر اصولی طور پر طلبہ پر اس طرح کی پابندی نہیں تھی، اور جن اکابر سے طلبہ کے لئے سیاست ممنوع قرار دینا منقول ہے، ان کے اقوال کا تجزیہ بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ یہاں پر ہم تین باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں: پہلی بات یہ کہ خود تھانوی حضرات کا اپنے دوران تعلیم جو سیاسی عمل رہا ہے اس کی کچھ تفصیلات تحریر کرنا، دوسری یہ کہ دارالعلوم دیوبند کا اس بارے میں جو طرز عمل تھا اس کو بیان کرنا، تیسری بات یہ کہ اکابر کے دور میں سیاسی جلسوں کے لئے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس میں جو تعطیلات کی گئی تھیں ان کی بھی تفصیل عرض کرنا، تاکہ اس سوال کا جواب معلوم اور ظاہر ہو جائے کہ جمہور علماء دیوبند کا طرز عمل کیا تھا؟

پہلی بات دوران تعلیم تھانوی حضرات کی عملی سیاست

سب سے پہلے ہم حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کا واقعہ اور عمل عرض کرنا چاہتے ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جب دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھے، تو دارالعلوم دیوبند میں جنگ بلقان اور طرابلس کے موقع پر مسلمانوں کے تعاون اور مدد کے لئے چندہ مہم چلایا گیا تھا، اس موقع پر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دوسرے طلبہ کی طرح اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لی تھا۔ چنانچہ استاذ محترم شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: جنگ بلقان اور طرابلس کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے دارالعلوم دیوبند کی طویل چھٹی کی گئی، اور اساتذہ وطلبہ اس جنگ کے لئے چندہ جمع کرنے میں مشغول

ہو گئے، اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے زیر ہدایت حضرت والد (مفتی محمد شفیع) صاحبؒ نے بھی گاؤں گاؤں پھر کر چندہ کیا۔ ❶

استاذ محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم العالیہ اپنے بچپن کا واقعہ ذکر فرماتے ہیں: ہمارے بزرگ تو اپنی جگہ کام کر رہے تھے، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے جلیل القدر محدث اور صحیح مسلم شریف کے استاد تھے ہمارے والد صاحبؒ نے مسلم شریف انہی سے پڑھی تھی، ہمارے والد صاحبؒ ابو داود پڑھاتے تھے، حکیم الامت حضرت تھانوی صاحبؒ کی ہدایت پر ان حضرات نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، اور ہندوستان کے طول وعرض میں جلسے اور تقریریں کیں۔ پھر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن (مسلمان طلبہ کی جماعت) کے نام سے دیوبند میں ایک نوجوانوں کی تنظیم تھی وہ بھی پورے ملک میں پھیلی ہوئی تھی جس کا مرکز علی گڑھ تھا، ان کے جلوس آئے دن نکلتے رہتے تھے، تیسری ایک تنظیم ہم بچوں نے بنائی تھی جس کا نام تھا بچہ مسلم لیگ... چنانچہ ہم نے بچہ مسلم لیگ بنا رکھی تھی، دارالعلوم دیوبند کی جو مرکزی جامع مسجد تھی اس میں سب بچے مل کر جمعہ کی نماز پڑھتے تھے پھر ہمارا وہیں سے جلوس نکلتا تھا تقریبا (۶۰۰) بچے اس کے رکن تھے اور ہم یہ نعرے لگاتے ہوئے گشت کرتے تھے:

لے کے رہیں گے پاکستان　　　دینا پڑے گا پاکستان ❷

پاکستان بننے کے کچھ عرصہ بعد لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تیار کردہ قرارداد مقاصد اسمبلی میں پیش ہو رہی تھی، اس وقت استاذ محترم مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب طالب علم تھے، وہ اس موقع پر دوسرے طلبہ کے ساتھ اسمبلی کی بالکونیوں (گیلریوں) میں تشریف لے گئے تھے، جو ایک سیاسی عمل ہے۔ چنانچہ استاذ محترم اس منظر کو

---

❶ میرے والد میرے شیخ اور اُن کا مزاج و مذاق، مفتی محمد تقی عثمانی، ص۱۱، ادارۃ المعارف کراچی، ط۱۹۹۴ء ❷ تحریک پاکستان یوم آزادی اور ہماری ذمہ داریاں، مفتی محمد رفیع عثمانی، ص۷، ۸، ادارۃ المعارف کراچی، ط۲۰۱۵ء

یوں بیان فرماتے ہیں: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب میں لیاقت علی خان صاحب سے جا کر بات کروں گا کہ یہ آخری موقع ہے ہم پوری کوشش کر چکے ہیں، اگر آپ قرارداد مقاصد کو دستور ساز اسمبلی میں پیش کر منوا سکتے ہیں تو میں اسمبلی میں رہوں گا، ورنہ استعفاء دے کر الگ ہو جاؤں گا... لیاقت علی کان مرحوم دین کا درد رکھنے والے تھے، ذہین بھی تھے اور باہمت بھی، انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کے استعفاء کو تو ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے، آپ ایسا کیجئے کہ قرارداد مقاصد مجھے دید یجئے میں خود اپنی طرف سے اسمبلی میں پیش کروں گا، چنانچہ تاریخ ہوگئی، مجھے وہ دن عید کی طرح یاد ہے جب ہم سب کے سب اسمبلی میں وہ نظارہ دیکھنے کے لئے گئے کہ وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم قرارداد مقاصد پیش کریں گے اور اس کی تائید میں علامہ عثمانیؒ کی تقریر ہوگی۔ چنانچہ وہ عظیم الشان اجتماع تھا، ہم اوپر بالکونیوں میں سے سارے مناظر دیکھ رہے تھے، بہت علماء اور طلباء گئے ہوئے تھے۔ ❶

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جب جمعیۃ علماء اسلام کے قائم مقام صدر تھے، تو انہوں تحریک دستوری اسلام کے لئے ملک کے طول وعرض میں دورے کئے، اس وقت حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا زمانہ دوران تعلیم کا تھا اور دونوں طالب علم تھے، لیکن اس کے باوجود سیاسی دوروں میں دونوں حضرات اپنے والد کے ساتھ شریک رہے، جو یقیناً عملی سیاست کا واضح مظاہرہ تھا۔ چنانچہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں: چنانچہ صدارت جمعیۃ علماء اسلام سے پہلے اور بعد میں آپ (مفتی محمد شفیع صاحبؒ) نے جمعیۃ کی طرف سے تحریک دستور اسلامی کے لئے مشرقی ومغربی پاکستان کے طول وعرض کے بار بار دورے کئے، اور ضلع ضلع پہنچ کر اسلامی دستور لے لئے عوامی شعور کو بیدار کیا۔ مغربی پاکستان کا ایک دورہ جو ۱۸ دسمبر ۱۹۵۵ء سے ۳ جنوری

❶ تحریک پاکستان یوم آزادی اور ہماری ذمہ داریاں، مفتی محمد رفیع عثمانی، ص۲۰، ۲۱، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۱۵ء

۱۹۵۶ء تک جاری رہا، اس میں ناچیز راقم الحروف اور برادر عزیز مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کو بھی شرف ہمرکابی حاصل ہوا۔ ❶

بہر حال بچہ مسلم لیگ تنظیم کے رکن بننا، اسمبلی کے مناظر دیکھنے کے لئے اسمبلی کی گیلریوں میں جانا اور سیاسی دوروں میں شرکت کرنا یہ سب عملی سیاست کی مثالیں اور عملی مظاہرے تھے جن کو ان حضرات نے دوران تعلیم اور زمانہ تعلیم میں سرانجام دیئے ہیں۔

دوسری بات دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم طلبہ کی عملی سیاست

دوسری بات یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں بہت سے حضرات نے دوران تعلیم سیاسی جلسوں اور اجتماعات میں شرکت کر کے عملی سیاست میں حصہ لینے کا مظاہرہ کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ پر عملی سیاست میں حصہ لینے پر پابندی نہیں تھی۔ یہاں پر ہم ان میں سے کچھ ایسے اکابر حضرات کے واقعات نقل کرنا چاہتے ہیں جن کی علمی شان مسلّم ہے، جس سے یہ اشکال بھی ختم ہوگا کہ دوران تعلیم سیاست میں حصہ لینے سے علمی پختگی میں فرق آتا ہے۔

۱......امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کا واقعہ: ۱۹۴۰ء میں جب آپ دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے تو فرنگی دور چل رہا تھا، تحریک آزادی عروج پر تھی، انگریزی حکومت نے آپ کے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو گرفتار کر لیا، حضرت مدنیؒ کی رہائی کے لئے دارالعلوم دیوبند کے طلباء کا جو پہلا جلوس نکالا گیا اس کی قیادت آپ نے کی۔ ❷

۲......حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ کا واقعہ: شیخ الکل حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ جب دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھے، تو انہوں نے دوسرے طلبہ کے ساتھ کانگریس

❶ حیات مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ، مفتی محمد رفیع عثمانی، ص ۱۶۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۲۰۰۰ء

❷ صوبہ سرحد کے علماء دیوبند کی سیاسی خدمات، مولانا ڈاکٹر عبدالدیان کلیم، ص ۱۶۱، مکتبہ شجاعت راحت آباد پشاور، ط ۲۰۰۱ء

اور مسلم لیگ کے سیاسی جلسوں میں شرکت کا شرف حاصل کیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں تھی، البتہ اُس وقت دارالعلوم دیوبند کے اکابر مسلم لیگ کے برخلاف کانگریس میں تھے، اس لئے مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ صاحبؒ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دورے کے سال ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ جواہر لال نہرو کا دیوبند میں جلسہ ہوا، دارالعلوم کے طلباء نے اس جلسے میں زور شور سے بھرپور انداز میں شرکت کی، اس کے کچھ دن بعد سردار عبدالرب نشتر کا جلسہ ہوا، پہلا جلسہ کانگریس کا تھا اور دوسرا مسلم لیگ کا، مسلم لیگ کے جلسے کے موقع پر اس کا بڑا اہتمام طلباء نے کیا کہ کوئی طالب علم اس جلسے میں نہ جائے، اور باقاعدہ جلسہ گاہ کے ساتھ طلباء مقرر کے گئے کہ وہ جلسے میں جانے والوں کے نام لکھیں، چنانچہ کئی طالب علم چور دروازوں سے جلسے میں پہنچے، اور نگرانی کرنے والے طلباء نے ان کے نام نوٹ کیے، ہم بھی جلسے میں گئے اور مین گیٹ سے گئے۔ ❶

۳...... مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ اگرچہ وہ دارالعلوم دیوبند کے طالب علم نہیں تھے، لیکن دوسرے ادارے کے طالب علم ہونے کے باوجود انہوں نے دوران تعلیم سیاست میں باقاعدہ حصہ لیا تھا۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے ۱۹۳۷ء سے سیاست کا آغاز کیا اس وقت وہ طالبعلم تھے، ۱۹۴۱ء میں انہوں نے دورہ حدیث کیا، ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند اور مسلم یوپی انڈیا نے مسلم یونٹی بورڈ کے نام سے مشترکہ انتخابات میں حصہ لیا تو مفتی محمودؒ نے مسلم یونٹی بورڈ کے ایک رکن کے طور پر بھرپور حصہ لیا اور اس سلسلے میں متعدد مقامات کا پیدل سفر کیا۔ ❷

۴...... ۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کو حکومت نے سہارن پور سے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، جب اس کی اطلاع دارالعلوم دیوبند میں پہنچی تو اساتذہ، طلباء اور ذمہ

❶ تذکرہ شیخ الکل مولانا سلیم اللہ خان نور اللہ مرقدہ، مفتی صابر محمود، ص ۶۸، ۶۹، ادارۃ الرشید کراچی، ط ۲۰۱۷ء ❷ اقوال محمود، اختر کاشمیری، ص ۳۷، مفتی محمود اکیڈمی کراچی، ط ۲۰۱۵ء

داروں میں اضطراب اور غم و غصے کی لہر دوڑ گئی، شہر میں ہڑتال کر دی گئی اور تمام بازار بند ہو گئے، حضرت صدر مہتمم صاحب کی صدارت میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا ایسے اشتعال انگیز موقع پر طلباء اور نوجوانوں نے پرامن مظاہرہ کیا۔ ❶

تیسری بات سیاسی جلسوں کے لئے مدارس میں تعطیلات کے واقعات

جہاں تک تیسری بات ہے کہ سیاسی تحریکات کے لئے دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس میں کئی دن تعطیل اور چھٹی رہی، اس کی بھی کئی مثالیں ہیں، ہم یہاں پر نمونے کے طور پر کچھ مثالیں پیش کریں گے۔

ا...... جنگ طرابلس کے موقع پر دارالعلوم دیوبند میں تعطیل: بلقان اور طرابلس کی جنگ اور رنگین واقعات نے حضرت شیخ الہندؒ کے دل ودماغ پر نہایت عجیب اثر ڈالا، چنانچہ اس وقت حسب طریقہ استاذ اکبر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پوری جان توڑ کوشش اور امداد اسلام فرمائی، فتوی چھپوائے مدرسہ کو بند کر دیا، طلبہ کے وفود بھجوائے، خود بھی ایک وفد کے ساتھ نکلے چندے کئے اور ہر طرح سے مدد کی ترغیب دے کر ایک اچھی مقدار بھجوائی۔ ❷

ہندوستان کے مسلمانوں کو ترکوں سے ہمیشہ ہمدردی رہی ہے اس لئے جنگ بلقان سے بھی مسلمانان ہند سخت متأثر ہوئے، علماء دیوبند اس تأثر میں آگے آگے تھے، حضرت شیخ الہندؒ تو سب سے زیادہ متأثر تھے، اس لئے ترکوں کی امداد کی خاطر ایک وہ وقت آیا جب کہ مدرسہ کو بھی ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ نومبر ۱۹۱۲ء میں بند کر دیا گیا اور تمام علمائے دیوبند اور طلبہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں چندے کے لئے پھیل گئے ...علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی بہر حال اسی دارالعلوم کے ہونہار اور قابل فرزند تھے، وہ کیسے خاموش رہ سکتے تھے چنانچہ آپ نے بھی اس سلسلے میں کوششیں کیں۔ ❸

❶ تاریخ دارالعلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ء، ج ا ص ۳۰۶، ۳۰۷، المیزان لاہور، ط ۲۰۰۵ء

❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء ص ۱۴۱، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن

❸ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۱، ۲۰۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ط ۱۹۸۸ء

نیز جنگ بلقان اور طرابلس کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے دارالعلوم دیوبند کی طویل چھٹی کی گئی اور اساتذہ وطلباء اس جنگ کیلئے چندہ جمع کرنے میں مشغول ہوں گے، اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ کے زیرِ ہدایت حضرت مفتی محمد شفیعؒ (جو اس وقت پڑھتے تھے) نے بھی گاؤں گاؤں پھر کر چندہ جمع کیا۔ ❶

۲...... جنگ بلقان وطرابلس کے موقع پر جامعہ امینیہ میں تعطیل: جنگ بلقان کے موقع پر جب دارالعلوم دیوبند کو بند کر دیا تھا اور ترکوں کی امداد کے لئے چیزوں کی فراہمی کی خاطر دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلبہ کے وفود مرتب کئے گئے تھے، تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی مدرسہ امینیہ بند کر دیا تھا، اور اساتذہ وطلبہ کو خدمت ملّی کے اسی کام پر لگا دیا تھا۔ ❷

۳...... جمعیت علماء ہند کے جلسے کے لئے دار العلوم دیوبند اور جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تعطیل: ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ العلماء کا مشہور جلسہ واجلاس تین دن سہارنپور میں منعقد ہوا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ نے جامعہ مظاہر علوم کے منتظمین سے تین دن کی چھٹی کرنے کا کہا، ابتداء میں تو ناظم تعلیمات نے انکار کیا لیکن حضرت شیخ الحدیثؒ نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند میں پورا ہفتہ چھٹی ہے تو ہم کو کم از کم تین دن کی چھٹی تو کرنی چاہیئے۔ گفت وشنید کے بعد بالآخر تین دن کی چھٹی کا فیصلہ کیا گیا۔ ❸

۴...... جب مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ جالندھر ہندوستان میں تھے، اور وہاں پر پاکستان بننے سے پہلے انہوں خیر المدارس قائم کی تھا، تو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جالندھر کے مضافات میں کسی تقریب اور جلسہ میں تشریف لائے، تو حضرت جالندھریؒ نے باقاعدہ مدرسہ میں تعطیل کرائی اور فرمایا کہ جا کر مدنی صاحب کی تقریر سنیں اور ان کی

❶ تذکرے، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۹۶، بیت العلوم لاہور، ط ن ❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے (ضمیمہ)، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۵۶، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن ❸ آپ بیتی، ج ۱، آپ بیتی نمبر ۲ یا یادایام نمبر ۱، ص ۱۰۴، ۱۰۵، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، مکتبۃ الشیخ کراچی، ط ن

زیارت کرآئیں پھر شاید کبھی یہ موقع میسر نہ آئے۔ ❶

بہرحال مدارس کے طلبہ کو سیاست میں حصہ لینا درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کا مؤقف یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسی عمل سے بہرصورت اجتناب کرنا چاہئے، سیاست ان کے لئے شجرہ ممنوعہ ہے، اوران کو سیاست سے بالکل الگ تھلگ اور لاتعلق ہونا چاہئے۔اس کے بر خلاف بعض حضرات کا طرز عمل یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسی عمل میں ضرور شریک کرنا چاہئے خواہ ان کی پڑھائی میں حرج کیوں نہ ہو۔ یہ دونوں مؤقف حد اعتدال سے باہر ہیں ایک کا مؤقف بالکل ایک سرے پر ہے کہ ان کے نزدیک طلبہ کے لئے سیاست بہرحال ممنوع ہے، جب کہ اس کے برخلاف دوسرے مؤقف کو اختیار کرنے والے دوسرے سرے پر ہیں کہ ان کے نزدیک بہرحال طلبہ کو سیاست میں شرکت کرنی چاہئے، خواہ پڑھائی میں حرج کیوں نہ ہو۔ اس بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ تبلیغ کی طرح حد اعتدال میں رہتے ہوئے طلبہ کا سیاست سے اس طور پر تعلق ہو کہ پڑھائی میں بھی حرج نہ ہو اور فارغ اوقات میں سیاست سے تعلق بھی ہو۔تو عملی سیاست سے پڑھنے میں خلل اور حرج اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اعتدال نہ ہو۔اعتدال کے ساتھ اگر کام کیا جائے تو ان شاء اللہ نہ خلل اور نقصان پیدا ہوگا اور نہ کوئی حرج لازم آئے گا۔حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خانؒ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے واقعات ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ حضرات دوران تعلیم بھی عملی سیاست میں شریک ہوتے تھے حالانکہ ان حضرات کے علم اور محقق ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

اسی طرح ہمارے سامنے ہمارے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ہے جو دوران تعلیم سیاسی جماعت سے وابستگی اور جماعتی نظم سے منسلک رہے اور پھر وہ حضرات وقت کے بڑے مدرس اور عالم ثابت ہوئے، اس کے برخلاف ایک بڑی تعداد ہمارے سامنے ایسی ہے جو دوران تعلیم اور عالم بننے کے بعد بھی ان کا سیاسی تعلق نہیں رہا لیکن علمی اعتبار سے وہ

❶ خیر الفتاوی، مرتب مولانا مفتی محمد انور، ما یتعلق بالتاریخ، ج ا ص ۵۰۵، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ط ن

بہت کمزور ہے۔علم کی پختگی کا تعلق استعداد، محنت اور شوق سے ہے۔جس طرح سیاست میں زیادہ مصروف اور سرگرم رہنے سے تعلیم میں حرج اور کمزوری پیدا ہوتی ہے، اسی طرح ہمارے سامنے ان طلبہ کی بھی مثالیں ہیں جو دوران تعلیم جہاد، تبلیغ یا تصوف کی لائن میں زیادہ سرگرم ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم اور علمی حیثیت کمزور ہے، تو کیا ان شعبوں پر سیاست کی طرح شجرہ ممنوعہ کے طور پر پابندی ہے؟۔

۱۲......اپنے سیاسی مخالف علماء کے خلاف فتوے صادر کرنا

تھانوی حضرات کے بارے میں یہ خیال اور تصور عام ہے کہ یہ فتوے دینے میں بڑے محتاط اور معتدل ہیں، خصوصاً جب کسی کے خلاف فتوی دینا ہو تو اس صورت میں از حد اعتدال اور احتیاط سے کام لیتے ہیں۔لیکن معلوم ہونے پر یقیناً ہر ایک کو تعجب ہوگا کہ وہ مدنی حضرات جو سیاسی رائے میں تھانوی حضرات سے اختلاف رکھتے تھے، ان کے خلاف تھانوی حضرات نے بڑے بڑے فتوے صادر اور شائع کئے ہیں۔ہم مثال کے طور پر یہاں دو فتوؤں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔

ا...... **جمعیت علماء ہند کے خلاف تھانہ بھون سے فتوے صادر ہونا:** حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ اس بارے میں فرماتے ہیں: تحریک خلافت ۱۹۲۲ء کے بعد جب کہ ۱۹۳۰ء و ۱۹۳۱ء میں جنگ آزادی کا دوسری مرتبہ آغاز ہوا تھا، گاندھی جی کی تجویز کردہ تحریک نمک سازی ہندوستان کے طول وعرض جاری تھی۔صوبہ سرحد میں قصہ خوانی بازار کا مشہور حادثہ پیش آچکا تھا، جس میں تقریباً آٹھ سو نوجوان پٹھانوں نے برطانیہ کی مشین گنوں کے سامنے سینہ تان کر مرگ شہادت کو لبیک کہا تھا، ہزاروں افغان نوجوان قید خانوں کی سلاخوں کے پیچھے مصیبت کی زندگی گزار رہے تھے، پورے ہندوستان میں لاکھوں ہندو اور مسلمان جیل خانہ کی اذیتوں اور تکلیفوں پر اپنا راحت وآرام قربان کر چکے تھے، ان کے مال تباہ کئے جارہے تھے اور جائدادیں ضبط کی جارہی تھی۔بدقسمتی سے خانقاہ تھانہ بھون کے بزرگ اپنی سابق تاریخ کی بموجب اس دور میں بھی کانگریس اور جمعیت علماء ہند کے خلاف فتوے

صادر فرما رہے تھے...اور اس خانقاہ سے اغراض حکومت کے مطابق جوابات حاصل کر کے لاکھوں کی تعداد میں ان کی اشاعت ملک کے گوشہ گوشہ کی جارہی تھی، اور اس طرح حریت پسند علماء کے جہاد کو ناکام بنایا جاتا تھا۔ ❶

ان فتوؤں کی تفصیل تو پوری طور پر ہمیں معلوم نہ ہوسکی، البتہ ترک موالات کی عبارت حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود الحسنؒ نے تحریر کی تھی، اور پھر پانچ سو علماء کے متفقہ دستخطوں سے فتوی کی صورت میں شائع ہوا۔ ❷

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ترک موالات کو ممنوع اور فتنہ قرار دیا تھا۔ ❸

۲...... جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف فتوی: جب جمعیۃ علماء اسلام نے ۱۹۷۰ء کی دہائی میں مختلف الخیال پارٹیوں اور جماعتوں سے اتحاد کیا تو اس میں ولی خان جیسے قوم پرست اور کچھ سوشلسٹ سوچ رکھنے والے حضرات کی جماعتیں بھی شامل تھیں، جمعیۃ علماء اسلام کی قیادت حضرت مولانا مفتی محمودؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ کر رہے تھے۔ اس وقت ۱۹۷۰ء کو تھانوی حضرات نے جمعیۃ علماء اسلام کے خلاف "متفقہ فتوی" کے نام سے ایک فتوی صادر کیا تھا، جس میں انہوں جمعیۃ علماء اسلام کو ووٹ اور چندہ دینے سے منع کیا تھا۔ وہ فتوی ایک سوال جواب کی صورت میں تھا، سوشلزم کے متعلق چار سوال تھے، اور پھر ترتیب سے ان کے جوابات تھے۔ چوتھا سوال جمعیۃ علماء اسلام کے متعلق تھا۔ سوال و جواب یہ ہیں:

(۴) بعض جماعتیں جن میں سے کچھ علماء بھی ہیں اپنے منشور میں قرآن وسنت کا اقرار کرتے ہوئے سوشلزم اور نیشلزم کے داعی جماعتوں سے اشتراک عمل اور اتحاد کرتی

❶ حیات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۷، ۱۹۸، مکتبہ محمودیہ جامعہ مدنیہ لاہور، طن ❷ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۶۷۵، دار الاشاعت کراچی، طن ❸ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۲۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳

ہیں، ان چاروں کے داعی مبلغ اشتراک عمل مالی امداد چندہ وغیرہ ووٹ دیکر تائید کا از روئے شریعت کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں جو فتوی صادر ہوا اس کی تفصیل یہ ہے:

سوال میں چوتھی قسم ان لوگوں کی بیان کی گئی ہے جو اپنے منشور میں قرآن وسنت کو بنیاد قرار دیتے ہوئے اسلامی نظام ہی کو ملک میں رائج کرنے کے مدعی ہیں، مگر ساتھ ہی ایسے سوشلسٹ عناصر کے ساتھ اشتراک عمل کا معاہدہ بھی کئے ہوئے ہیں جن کی خلاف اسلام سرگرمیاں اس سے پہلے مشاہدہ میں آچکی ہیں، اور ان کے منشور اب بھی بنیادی طور پر اسلام کے معاشی نظام کو غلط یا ناکافی قرار دیکر کم از کم معاشی مسائل کی حد تک سوشلزم کو اپنایا گیا ہے، اور ملک میں ان کی منظّم طاقت اسلام اور پاکستان کے لئے خطرہ بنی ہوئی ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ معاہدہ اشتراک عمل ان کے باطل نظریات کو قوت پہنچانے اور ملک پر سوشلزم اور ملک پر سوشلزم کو مسلط کرنے کا سبب بنے گا۔ اہل علم دین کا ان کے ساتھ اختلاط مسلمانوں کے قلوب سے اس کافرانہ نظام کی نفرت کو کم کرے گا اور ان کو مسلمانوں کے صفوف میں انتشار پھیلانے اور ناواقف مسلمانوں کو اپنے دام میں لانے کا ذریعہ بنے گا۔ ایسا کرنے والے حضرات کتنے ہی نیک اور نیک نیت ہوں، مگر کسی کی نیک نیتی سعی وعمل کے منطقی اور فطری نتائج کو نہیں بدل سکتی ہے۔ اس لئے ان حضرات کی امداد واعانت کا سارا فائدہ سوشلسٹ عناصر کو پہنچے گا۔ ان کو چندہ یا ووٹ دینا ایسا ہی ہوگا جیسے براہ راست سوشلسٹ عناصر کو ووٹ دیا جائے۔ ❶

اس فتوے کا جواب اس وقت حضرت مفتی محمود صاحبؒ نے کراچی میں ایک پروگرام میں تفصیلی طور پر دیا تھا، بندہ نے ۱۹۹۰ء کے زمانہ میں ٹیپ ریکارڈ کیسٹ سے ان کا بیان سنا تھا، لیکن افسوس کہ وہ کیسٹ اپنے پاس محفوظ نہ رکھ سکا، اور نہ وہ تفصیلات ذہن میں ہیں، صرف اتنا یاد ہے کہ انہوں نے اپنے بیان میں یہ فرمایا تھا کہ ۱۱۳ حضرات دستخط کرنے والوں میں سے میں تین چار کو فتوے کا اہل سمجھتا ہوں، جن کی وجہ سے میں جواب دینے پر مجبور

❶ سوشلزم کفر ہے متفقہ فتوی، شائع کردہ ناظم دعوت الحق پاکستان کراچی، ط ن

ہوں، ورنہ اگر یہ نہ ہوتے تو بقیہ حضرات کو جواب دینے کی زحمت بھی نہ کرتا۔ بہرحال حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب کی تفصیل تو یاد نہیں رہی، لیکن اپنے ناقص مطالعہ اور فہم کی رو سے اس فتوے پر جو اشکالات ذہن میں اس وقت ہیں، مختصراً ان کو عرض کرنا چاہتا ہے۔

ا...... اس فتوے پر تھانوی حضرات اور ان کے ہمنوا کے علاوہ کچھ اہل حدیث اور مولانا شفیع اوکاڑوی جیسے سخت بریلوی تحفظ اثناعشریہ تحریک کے شیعہ عالم محمد حسین حضرات کے دستخط حاصل کر کے اسے متفقہ فتوی کا نام دیا گیا ہے، حالانکہ اپنے قریب جامعہ بنوری ٹاؤن جیسے بڑے اداروں کے مفتیان کرام نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ اسی طرح جامعہ خیر المدارس کے مفتیان کرام کا بھی اس پر دستخط نہیں ہے، تو اس کو متفقہ فتوے کا نام دینا تعجب خیز تھا۔

۲...... اگر اشراک عمل اور اتحاد سے ایک جماعت یا فرد کے نظریات کو دوسرے کی طرف منسوب کرنے کو درست سمجھا جائے، پھر تو ''اتحاد تنظیمات مدارس'' دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت اسلامی اور شیعہ مسلک کے مشترکہ فورم ہے، اس سے اشتراک عمل کی وجہ سے دوسروں کے نظریات کو وفاق المدارس کی طرف منسوب کرنے کا جواز پیدا ہوگا، اور پھر اس کی بنیاد پر وفاق سے تعاون کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ دوسرے مسلک اور نظریات والوں سے تعاون کرنا۔

۳...... یہ فتوی جماعت اسلامی کی خواہش پر جاری ہوا تھا، چنانچہ تھانوی حضرات کے آپس میں جب اختلاف ہوا، تو حضرت مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے اس راز کو فاش کر دیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جماعت اسلامی کی خواہش پر مفتی محمود سمیت متذکرہ بالا تمام سوشلسٹ پرٹیوں کے خلاف ایک سو تیرہ علماء کے دستخطوں سے فتویٰ جاری ہوا تھا، جو مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کا لکھا ہوا تھا، جس پر میرے دستخط نہیں تھے، کیونکہ فتوے کے بعض مضمرات سے مجھے اصولی طور پر اختلاف تھا۔ مفتی صاحب کے اصرار پر میں نے چند ترمیموں کے بعد دستخط کی منظوری دے دی تھی...... اب رہا وہ فتویٰ جو سوشلزم کی مخالفت کی آڑ میں مودودی جماعت کو فائدہ پہنچانے کے لئے ایک سو تیرہ علماء کے دستخطوں سے چھپا تھا، وہ مفتی محمد شفیعؒ

کا لکھا تھا، اور شاہ احمد نورانی اور مفتی شفیع کے داماد برانڈ مولوی نور احمد اس پر دستخط کرانے میں پیش پیش تھے...... مفتی محمد شفیع نے مودودی سے اپنی ساز باز اور وابستگی قائم کی، اور صرف مودودی کو مخالفت سے تحفظ دینے کے لئے جمعیت علماء اسلام کو پہلے معطل رکھا، پھر مفتی محمود کے حوالے کر دیا، پھر مفتی محمود نے مودودی کے خلاف آواز بلند کی تو پھر منّت سماجت کر کے مرکزی جمعیت علماء اسلام کو زندہ کیا گیا۔ مرکزی جمعیت کے کے ذریعے مفتی محمود کا کافی زور ٹوٹا، مگر ہمارے تمام ساتھی در پردہ مفتی محمد شفیع کی وساطت سے جماعت اسلامی کے ایجنٹ نکلے، جس کی وجہ سے میں نے نظام اسلام اور مرکزی جمعیت سے سبکدوشی اختیار کر لی۔ ❶

۴۔ اس فتویٰ کی اشاعت پر محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے اپنا نقطہ نظر اور جمعیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں بیان فرمایا تھا: میں اگرچہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ رسمی طور پر وابستہ نہیں ہوں اور نہ ہی اپنے مشاغل کی بنا پر ان سے کوئی خاطر خواہ تعاون کر سکا ہوں، لیکن باوجود اس کے میری ہمدردیاں ان کے ساتھ ہیں اور میرے نزدیک یہ جماعت ہی وہ صحیح المسلک مذہبی سیاسی جماعت ہے جس سے مسلمانوں کو خیر کی توقعات وابستہ کر کے اس کو تقویت پہنچانا چاہیے۔ جمعیت کے زعماء کو میں قریب سے جانتا ہوں، ان کا سیاسی مؤقف کچھ بھی سہی لیکن ان کے متعلق اس بات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں سوشلزم یا کسی اور باطل نظام کو ایک لمحہ کے لئے قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں، ان کا ماضی اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ سلف صالح اور اہل سنت والجماعت کے مسلک سے دفاع کیا۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر کسی قسم کی قربانی اور جہاد سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ چنانچہ اس وقت بھی اسلامی تعلیمات کے تحت ملک کے معاشی مسائل کا حل تلاش کرنے میں جمعیت مصروف ہے۔ ❷

❶ پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویر الحق، ص ۶۲، ۲۸۶، ۳۱۳، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط ۲۰۰۹ء ❷ بصائر وعبر، رشحات قلم محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری متوفی ۱۳۹۷ھ، ج ا ص ۲۹۴، مکتبہ بینات کراچی، ط ۲۰۱۴ء

یہ ان فتوؤں کی حقیقت تھی، اور ساتھ ان کے پیچھے چھپ رہنے والے عناصر مودودیوں کی سازش بھی شامل تھی۔آج بھی بہت سے تھانوی حضرات کے جماعت اسلامی والوں کے ساتھ بڑے اچھے خوشگوار تعلقات ہیں۔ ہمارے بعض ساتھی کبھی اس بات پر شکوے کرتے ہیں کہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب میدان سیاست میں مانے ہوئے سیاستدان ہیں،اور سیاسی اور مذہبی معاملات میں سیاسی طور پر بہت اچھا کردار ادا کررہے ہیں،لیکن اس کے باوجود تھانوی حضرات نے ان سے دوری اور چشم پوشی اختیار کی ہوئی ہے،اور جس طرح ہمدردی اور حمایت ہونی چاہے وہ نہیں کررہے ہیں۔ میں اس شکوے کے جواب میں کہتا ہوں کہ اب ان کی طرف سے یہ خاموشی اور چشم پوشی بھی بڑی غنیمت ہے، کہ کم ازکم مخالفت میں فتوے شائع تو نہیں کررہے ہیں، ماضی میں ان کی طرف سے جمعیت علماء ہند اور جمعیت علماء اسلام کے خلاف فتوے صادر اور شائع ہوئے تھے۔

اور ساتھ یہ کہ پیشنگوئیاں کرنا نہ میری عادت ہے اور نہ میں اس کا اہل ہوں، البتہ یہاں پر بزرگوں کے نقل کرتے ہوئے دو پیشنگوئیاں ضرور عرض کروں گا، ایک یہ کہ تھانویوں کی سیاسی جماعت ''مرکزی جمعیت علماء اسلام'' کے معدوم ہونے کے بعد تھانوی حضرات ائندہ کبھی بھی سیاسی جماعت قائم کرنے کے سوچ اور جسارت نہیں کریں گے،اور دوسری یہ کہ جمعیت علماء اسلام کتنا ہی اچھا کردار ادا کرے تھانوی حضرات اس میں شامل ہوکر یا اس کے پشتیبان بن کر کھلم کھلا حمایت کبھی نہیں کریں گے۔

۱۳...... پرویز مشرف کے ساتھ دوستی

سابق آمر جنرل پرویز مشرف صاحب کا دور بھی پاکستان کی تاریخ میں ایک سیاہ دور تھا خصوصاً مذہبی طبقات کے لئے،تقریباً تمام مذہبی جماعتیں اور اہل دین پرویز مشرف صاحب کے خلاف تھے،لیکن اس موقع پر تھانوی حضرات کے کچھ حضرات کا صرف نہ اس سے تعلق رہا، بلکہ اس کی کابینہ کے ارکان بھی تھے۔ جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب مرحوم (جن کا رشتہ حضرت حکیم الامتؒ سے رشتہ ملتا ہے) وفاقی مذہبی امور کے وزیر تھے،اور

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے بھائی حضرت مولانا ولی رازی صاحب صوبہ سندھ کے مذہبی امور کے وزیر تھے۔

۱۴......عمران خان کی حمایت

عمران خان صاحب کے وزیراعظم بننے سے پہلے اور وزیراعظم بننے کے بعد بہت سے تھانوی حضرات ان کی حامی اور مداح نکل آئے۔خصوصاً اقوام متحدہ میں جب انہوں نے کچھ لفّاظی کے ساتھ تقریر کی، تو فوراً تھانوی حضرات کی طرف سے ٹویٹ میں ان کی مدح میں بیان اور میسج جاری ہوا، حالانکہ زمینی حقائق بالکل برعکس تھے کہ اس بار پاکستان کو سفارتی طور بہت بڑی ناکامی کا سامنا ہوا۔کشمیر پر قرارداد پیش کرنے کے لئے ۱۶ ممالک کی حمایت درکار تھی، وہ حاصل نہ کرسکے، اور یوں کشمیر اقوام متحدہ کے ایجنڈے سے خارج ہوگیا۔اس موقع پر ماہنامہ العصر پشاور کے ٹائٹل پر جو مختصر بیان جاری ہوا، وہ بڑا جامع تبصرہ ہے۔وہ یہ کہ: وزیر اعظم کا اقوام متحدہ کے فورم پر جرأت مندانہ تقریر ایک ریکارڈ ضرور ہے، مگر مملکت میں جاری تشخص پر ان کے مسلسل حملے اور عوام پر کمر توڑ مہنگائی، بدنظمی ان کی مکمل نفی کر رہی ہے۔ ❶

ساتھ یہ کہ ایک تقریر پر حمایت میں ان حضرات کی طرف ٹویٹ پر مدح وتعریف کے میسج تو آتا ہے، مگر عبدالشکور قادیانی، آسیہ اور دیگر قادیانیوں کی رہائی اور امریکہ میں عمران خان صاحب کا یہ بیان دینا کہ یہ رہائی ہم نے دلائی، ان حالات اور بیانات پر ان حضرات کی طرف سے خاموشی نظر آنا تعجب خیز ہے۔

اس کے علاوہ وہ تھانوی حضرات جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ عملی سیاست سے ہم تعلق نہیں رکھتے، لیکن عمران خان صاحب کی حکومت میں بڑے متحرک نظر آئے، حکومتی ارکان کے علاوہ ان کو کئی بار چیف آرمی اسٹاف قمر باجوہ صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔اور ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۹ء کو جب وزیراعظم عمران خان صاحب نے علماء کو ملاقات کے لئے اسلام آباد مدعو کیا، تو بہت سے دیوبندی حضرات بشمول تھانوی حضرات نے اس بنا پر

❶ ماہنامہ العصر پشاور، اکتوبر ۲۰۱۹ء

ملاقات سے انکار کیا کہ اس وقت سیاسی طور پر عمران خان صاحب کے خلاف مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں متحدہ اپوزیشن جماعتیں مارچ کرنے کی تیاری کر رہی ہیں، اور ہم غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں، اس وقت ملاقات کرنا جانبداری کو ظاہر کرے گا، اس لئے ہم ملاقات سے معذرت کرتے ہیں۔ ❶

یہ بڑا اچھا فیصلہ تھا لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ایک ہفتہ بعد تھانوی حضرات نے اپنے فیصلے سے انحراف کرتے ہوئے ۲۵ اکتوبر کو عمران خان صاحب کے پاس جا کر ملاقات کی۔ ❷

اس طرح کے فیصلے کرنا یقیناً سیاسی کمزوریوں کی دلیل اور علامت ہوتی ہے۔

۱۵......سیاسی سوغات

ہم اگر ۱۹۸۸ء سے لیکر ۲۰۱۹ء تک سیاسی حالات اور سیاسی جماعتوں اور افراد کا مطالعہ کریں تو ہمیں تھانوی حضرات کی سیاسی سوغات میں حضرت مولانا کوثر نیازی صاحب مرحوم (رہنما پیپلز پارٹی)، حضرت مولانا احترام الحق تھانوی صاحب (رہنما وسنیٹر ایم کیو ایم) اور حضرت مولانا طاہر اشرفی صاحب جیسے حضرات نظر آتے ہیں، اس کے برخلاف مدنی حضرات کی سیاسی سوغات میں حضرت مولانا سمیع الحق شہیدؒ، حضرت مولانا حق نواز شہیدؒ اور قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب جیسے حضرات نظر آتے ہیں۔

اولٰئک ابائی فجئنی بمثلھم　　　اذا جمعتنا یا جریر المجامع

---

❶ روزنامہ جنگ کراچی، ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۹ء، روزنامہ امت کراچی، ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۹ء

❷ روزنامہ جنگ کراچی، ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء، روزنامہ امت کراچی، ۲۶ اکتوبر ۲۰۱۹ء

باب سوم: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی سیاسی جدوجہد

پاکستان کی ابتدائی سیاست میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کا بڑا نام ہے، ان کے بارے میں عام تصور یہ ہے کہ وہ سیاسی اعتبار سے تھانوی تھے۔ ہم اس باب میں پہلے ان کے سیاسی کردار کے بارے میں مختصر عرض کرنا چاہتے ہیں، اور پھر اس کے بعد اس بات کی وضاحت کریں گے کہ حقیقت میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریک شیخ الہندؒ کے ایک اہم فرد اور رہنما تھے اور ابتداء میدان سیاست میں ان کا اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا موقف ایک ہی تھا، اور سیاسی لحاظ سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف اور فرق تھا، البتہ صرف الگ ملک کے مطالبے اور اس بارے میں مسلم لیگ کی حمایت میں ان کا اور حکیم الامتؒ اور دوسرے تھانوی حضرات کے موقف یکساں ہوا۔ اس لئے تھانوی حضرات نے غنیمت سمجھ کر ان کو اپنا سیاسی قائد تسلیم کیا، کیونکہ تحریک شیخ الہندؒ کے فرد اور رہنما ہونے کی وجہ سے ان میں قیادت کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ تو اس ایک مسئلے میں موافقت اور پھر اس میں قیادت کرنے کی وجہ سے ان کے بارے میں یہ تصور عام ہونے لگا کہ وہ تھانوی تھے۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کی سیاست کے مختلف ادوار

ا...... حضرت شیخ الہندؒ کی نگرانی و رہنمائی میں علامہ عثمانیؒ کی سیاسی خدمات

علامہ عثمانیؒ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، اپنے استاذ کی نگرانی و رہنمائی میں ان کی سیاست کا دور اول شروع ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ کے بحکم جب ۱۹۱۰ء میں جمعیت الانصار تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا تو علامہ عثمانیؒ درس و تدریس کے ساتھ جمعیت الانصار کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے، گویا علمی، مذہبی، قومی و ملی اور وطنی تمام خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ جب مراد آباد میں اس تنظیم کا پہلا جلسہ طے ہوا تو علامہ عثمانیؒ نے اس میں اپنا معرکہ آراء مضمون ''اسلام'' کے عنوان سے پڑھا، اکابر علماء نے

اس تقریر کو بڑے ذوق شوق سے سنا اور اس کی بڑی تعریف کی ۔ پھر ۱۹۱۲ء میں بمقام میرٹھ میں جمعیت الانصار کا جو جلسہ منعقد ہوا تھا، اس میں علامہ عثمانیؒ نے ''الدار الآخرۃ'' کے عنوان سے زبردست عقلی اور فلسفی تقریر فرمائی ۔ ۱۹۱۳ء بمقام شملہ جمعیت الانصار کے جلسے میں علامہ عثمانیؒ نے ''معجزات'' کے موضوع پر مدلل تقریر فرمائی ۔ ❶

جنگ بلقان میں جب برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے ترکی سلطنت پر جنگ مسلط کی تو حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۹۱۲ء میں ترکی حکومت کی مدد کے لئے چندہ مہم چلایا، دارالعلوم دیوبند میں اسباق کو چند دنوں بند کر دیا گیا، اساتذہ اور طلباء اس چندہ مہم مین مصروف تھے، علامہ عثمانیؒ نے مختلف شہروں کا دورہ کر کے اس موقع پر بہت چندہ کیا ۔ ❷

حضرت شیخ الہندؒ جب ۱۹۱۹ء میں مالٹا جیل سے رہا ہوئے تو علامہ عثمانیؒ کو اپنی زبان بنا کر ان کے واسطے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، حضرت عثمانیؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اپنے خاص استاذ کے ترجمان بنتے ہوئے بڑے بڑے اجتماعات میں تقریریں کیں ۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اس موقع پر ترک موالات کے فتوی لکھنے کے لئے چند مخصوص شاگردوں کو مامور فرمایا، ان میں علامہ عثمانیؒ کا لکھا ہوا فتوی حضرت شیخ الہندؒ نے پسند کر کے اسی کو منتخب فرمایا ۔ ۱۹۲۰ء میں جب جامعہ ملیہ کے افتتاحی اجلاس کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا تو ان کا خطبہ صدارت علامہ عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا ۔ ❸

۲...... جمعیۃ علمائے ہند میں حضرت علامہ عثمانیؒ کا سیاسی کردار

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا دوسرا سیاسی دور جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ وابستگی اور تعلق سے

❶ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۹۹...۱۱۲، مکتبہ دار العلوم کراچی

❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۵...۵۸۸ ، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

❸ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۳...۲۰۶، مکتبہ دار العلوم کراچی

شروع ہوتا ہے، ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی تو ابتدا سے لیکر ۱۹۴۵ء تک حضرت عثمانیؒ اس کی مجلس عاملہ کے ممتاز رکن تھے اور اکثر اجلاسوں میں شرکت فرماتے رہے، اور ان میں پُر جوش اور کامیاب تقریریں فرماتے رہے، اور مختلف اوقات میں اس کی کمیٹیوں کے رکن رہے، اور بہت سی کمیٹیوں میں صدارت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ❶

۳......جمعیۃ علماء اسلام کی صدارت

علامہ عثمانیؒ کا تیسرا دور جمعیۃ علماء اسلام کے قیام سے شروع ہوتا ہے، اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام وجود میں آئی، علامہ عثمانیؒ کو اس کا پہلا صدر چن لیا گیا اور تا حیات منصب صدارت پر فائز تھے۔ ❷

۴......تحریک پاکستان میں سیاسی کردار

حضرت عثمانیؒ کا چوتھا سیاسی دور پاکستان سے متعلق ہے، پاکستان بننے میں علامہ عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کی جدوجہد اور محنت شامل ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد مغربی پاکستان میں پرچم لہرانے کا اعزاز ان ہی کو حاصل ہے۔ ۱۹۴۶ء میں جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا انتخاب ہوا تھا تو علامہ عثمانیؒ بنگال سے مسلم لیگ کی جانب سے اس کے رکن منتخب ہوئے تھے، ملک کی تقسیم کے بعد بھی آپ کو مجلس دستور پاکستان کا رکن منتخب کیا گیا۔ حضرت علامہ عثمانیؒ دستور ساز کمیٹی کے رکن تھے، ان کی کوششوں سے اسلامی تعلیمات بورڈ قائم ہوا اسی طرح قرارداد مقاصد ان کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کو پاکستان میں شامل کرنے کے لئے ۱۹۴۷ء میں ریفرنڈم ہوا تو اس وقت علامہ عثمانیؒ اور مفتی محمد شفیعؒ نے دیگر رفقاء کے ساتھ ملکر صوبہ سرحد کا دورہ کیا، مختلف شہروں میں خطاب کیا اور لوگوں کو پاکستان کے ساتھ دینے پر قائل کیا، ان کی کوششوں

❶ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳...۶۱۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

❷ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۴۸۲، مکتبہ دار العلوم کراچی

کے نتیجے میں ریفرنڈم پاکستان کے حق میں آیا۔ بہرحال حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے سیاست اور تحریک پاکستان میں جو سرگرم حصہ لیا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے، لہذا بانیان پاکستان میں ان کا نام فراموش کردینا قدر ناشناسی کی بدترین مثال ہوگی۔

۵......وہ سیاسی مسائل جن میں حکیم الامت تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اختلاف رہا

ا۔تحریک شیخ الہندؒ: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریک شیخ الہندؒ کے اہم رکن رہے ہیں،، حضرت شیخ الہندؒ جب ۱۹۱۹ء میں مالٹا جیل سے رہا ہوئے تو علامہ عثمانیؒ کو اپنی زبان بنا کر ان کے واسطے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا، حضرت عثمانیؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اپنے خاص استاذ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان بنتے ہوئے بڑے بڑے اجتماعات میں تقریریں کیں۔ ۱۹۲۰ء میں جب جامعہ ملیہ کے افتتاحی اجلاس کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا تو ان کا خطبہ صدارت علامہ عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا۔ ❶

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس تحریک سے لاتعلق رہے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو جمع کر کے تحریک کے سلسلے میں اس وقت کے تقاضے اور ضرورتیں سامنے پیش کیں، دوسرے حضرات نے تحریک کے سلسلے میں ان کی موافقت کی، اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ضعف قلب کا عذر کر کے معذرت کرلی۔ ❷

۲......تحریک ترک موالات: حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریک ترک موالات کا

❶ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۴، مکتبہ دارالعلوم کراچی

❷ علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۷۷، جمعیت پبلیکیشنز لاہور، طن

پرزور حامی تھے، یہاں تک کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اس موقع پر ترک موالات کے فتوی لکھنے کے لئے چند مخصوص شاگردوں کو مامور فرمایا، ان میں علامہ عثمانیؒ کا لکھا ہوا فتوی حضرت شیخ الہندؒ نے پسند کر کے اسی کو منتخب فرمایا۔ ۱۹۲۰ء میں جب جامعہ ملیہ کے افتتاحی اجلاس کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا تو ان کا خطبہ صدارت علامہ عثمانیؒ نے پڑھ کر سنایا۔ ❶

ترک موالات کی مذکورہ عبارت حضرت شیخ الہندؒ، مولانا محمود الحسنؒ کے دستخط سے جاری ہوئی اور پھر پانچ سو علماء کے متفقہ دستخطوں سے فتوی کی صورت میں شائع ہوئی۔ ❷

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس تحریک کے سخت مخالف تھے، یہاں تک کہ انہوں نے تحریک ترک موالات کو ممنوع اور فتنہ قرار دیا تھا۔ ❸

۳۔ تحریک خلافت: تحریک خلافت جو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی سرپرستی میں ایک زبردست تحریک چلی تھی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس تحریک خلافت میں فعال کردار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمانیؒ نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمان کی حیثیت سے ملک کے مختلف علاقوں اور شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کیا اور بلند پایہ تقریریں کیں۔ خلافت کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے اور تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہندؒ اور علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے رہے۔ ❹

لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس کے مخالف تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول: زمانہ تحریک خلافت میں قریب قریب سب نے رائے میں (حضرت حکیم الامت کی) مخالفت کی، اور پورے ہندوستان کے بڑے بڑے علماء کرام

❶ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۴، ۲۰۶، مکتبہ دار العلوم کراچی

❷ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷، ج ۲ ص ۶۷۵، دار الاشاعت کراچی، ط ن

❸ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، ج ۵ ص ۲۳۲، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ ❹ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی) محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۹...۵۹۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

حضرت والا سے رائے کا اختلاف رکھتے تھے۔ ❶

۴...... جمعیت علماء ہند میں کردار: جمعیۃ علماء ہند جو حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں وجود میں آئی تھی، اور متحدہ ہندوستان کے تقریباً تمام علماء اس میں شامل تھے، حتی کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ایک زمانہ تک اس کے رکن رکین رہے۔ قیام جمعیۃ علماء ہند ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۴۵ء تک وہ جمعیۃ علماء ہند کے پرجوش رہنماء تھے، اور اکثر اجلاسوں میں شریک ہوتے رہے ان کی دھواں دار تقریروں سے پورا مجمع لطف اٹھاتا۔ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے جمعیۃ علماء ہند سے علیحدگی اختیار کی ،تو ان میں وہی تحریکی جذبات موجود تھے اس لئے جمعیۃ علماء اسلام کے قیام کا فیصلہ فرمایا۔ ❷

اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ اس سیاسی تحریک سے دور اور الگ تھے۔

دار العلوم کے بزرگوں نے سیاست میں ہمیشہ حصہ لیا ہے ،حضرت شیخ الہندؒ نے ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے جو خفیہ اسکیم مرتب کی تھی وہ تو اپنی انتہا پر پہنچنے والی انقلابی صورت رکھتی تھی جس کے عوض انہیں مالٹا میں نظر بند رہنا پڑا۔ خلافت کے زمانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا سید مرتضی حسن چاند پوریؒ صاحب ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ سیاسیات میں حصہ لیتے رہے ہیں، مولانا عثمانی صاحبؒ جمعیۃ العلماء ہند کی ورکنگ کمیٹی کے وہ ممتاز رکن رہے ہیں اور ان کی تقریروں سے سیاسی، ملی اور مذہبی جلسہ گاہیں گونجتی رہی۔ ❸

۵...... جمعیت علماء اسلام کی قیادت: اکتوبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمعیت علماء اسلام وجود میں آئی، علامہ عثمانیؒ کو اس کا پہلا صدر چن لیا گیا اور تا حیات منصب صدارت پر فائز تھے۔ ❹

جبکہ حضرت تھانویؒ علماء کے لئے سیاسی جماعت بنانے اور پھر اس کی قیادت کرنے کے قائل نہیں تھے، جس کی تفصیل باب اول میں گزر چکی ہے۔

❶ مجالس مفتی اعظم، مفتی عبد الرؤف سکھروی، ص ۵۳۳، ادارۃ المعارف کراچی، ط ۱۹۹۹ء

❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳، ۵۹۴، ۶۱۲، ۶۱۴۔، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

❸ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۴۳۷، ۴۳۸، مکتبہ دار العلوم کراچی

❹ حیات عثمانی، مولانا پروفیسر محمد انوار الحسن شیر کوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۴۸۲، مکتبہ دار العلوم کراچی

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے تحریک پاکستان، آئین پاکستان اور سرحد ریفرنڈم وغیرہ کے لئے عملاً سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ اب اس طرح کی عملی سیاست اور قیادت کرنا حکیم الامت تھانویؒ کی رائے سے اختلاف تھا، تو حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی مذکورہ رائے سے مؤدبانہ الفاظ میں اختلاف کیا اور فرمایا: اہل حق کو سیاست کے لئے نہیں بلکہ دفاع عن الحق کے لئے اس میدان میں آنا چاہئے، اور مقدور بھر اسلام کا دفاع کرنا میں فرض عین سمجھتا ہوں، اور یقین ہے کہ اگر آج حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ اس عالم میں تشریف فرما ہوتے تو اہل قدرت کو ہرگز اس وقت کی سیاست سے علیحدگی کا مشورہ نہ دیتے بلکہ شرکت کی ترغیب دیتے۔ ❶

۶......سیاسی جلسوں میں شرکت: حضرت علامہ عثمانیؒ نے متحدہ ہندوستان میں اور پھر پاکستان میں بڑے بڑے سیاسی جلسوں میں شرکت اور خطاب فرماتے تھے۔ خلافت کے جلسوں میں شرکت کرتے تھے اور تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہندؒ اور علمائے دیوبند کی نمائندگی کرتے رہے۔ ❷

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ علماء کی اس طرح کی عملی سیاست کے مخالف تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اگر تم یہ چاہو کہ علماء اس سے آگے بڑھ کر سیاست میں عملی طور پر بھی حصہ لیں اور تمھارے سیاسی جلسوں اور مظاہروں میں شریک ہوا کریں تو یہ کام ان کا نہیں۔ ❸

۷......الیکشن اور ممبر بننا: ۱۹۴۶ء میں جب ہندوستان کی مجلس دستور ساز کا انتخاب ہوا تھا تو علامہ عثمانیؒ بنگال سے مسلم لیگ کی جانب سے اس کے رکن منتخب ہوئے تھے، ملک کی تقسیم کے بعد بھی آپ کو مجلس دستور پاکستان کا رکن منتخب کیا گیا۔ حضرت علامہ عثمانیؒ دستور ساز کمیٹی کے رکن تھے، ان کی کوششوں سے اسلامی تعلیمات بورڈ قائم ہوا اسی طرح قرارداد مقاصد

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، ملکی سیاست اور علماء، ج ۲ ص ۶۴، ۶۵، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء
❷ کمالات عثمانی (تجلیات عثمانی)، محمد انوار الحسن شیرکوٹی متوفی ۱۹۷۶ء، ص ۵۸۹...۵۹۲، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ ❸ الافاضات الیومیہ: ج ۱۰ ص ۴۷، بحوالہ اسلام اور سیاست، مرتب مولانا محمد اسحاق ملتانی، ص ۷۰، ۷۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ط ۱۴۲۷ھ

ان کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ لیکن حضرت تھانویؒ علماء کے لئے اس طرح کی سیاست کے مخالف تھے۔ بلکہ تقریباً یہ سب تھانوی حضرات کا نظریہ ہے کہ علماء الیکشن میں حصہ نہ لیں، چنانچہ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا نظریہ یوں بیان فرماتے ہیں: اداروں کے اساتذہ وطلباء کو ملک کے سیاسی حالات سے نظری طور پر واقف ہونا چاہیے، لیکن عملی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہیے... پھر جو اہل علم تعلیمی اداروں سے وابستہ نہ ہوں ان کے سیاست میں حصہ لینے کے بارے میں حضرت والد صاحب قدس سرہ کا رجحان اس طرف تھا کہ شدید ضرورت کے بغیر وہ الیکشن میں حصہ نہ لیں تو بہتر ہے۔ ❶

اگرچہ یہ اصول خود ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد ولی رازی صاحب نے توڑ دیا ہے، کہ انہوں نے ۱۹۸۵ء کے الیکشن میں بطور امیدوار حصہ لیا تھا، وہ اگرچہ ممبر نہیں بن سکے تھے، تاہم ''گھر کو آگ لگی اپنے چراغ سے'' کی بنا پر اس سے مذکورہ اصول کمزور ضرور ہو گیا۔

بہرحال یہ چند ایسے سیاسی امور تھے جن میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اختلاف رہا، اور اکثر میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا موقف ایک جیسا تھا، اور ان تحریکات میں دونوں حضرات نے ایک ساتھ فعال کردار ادا کیا ہے، البتہ تقسیم ہند اور مسلم لیگ کی حمایت میں ان کا اختلاف رہا۔ لہذا علامہ عثمانیؒ کو تھانوی شمار کرنا محل نظر ہے، وہ تحریک شیخ الہندؒ کے اہم رکن اور رہنما ہونے کی حیثیت سے عملی سیاست اور تحریکات میں ہمیشہ فعال رہے، اور یہی وجہ ہے کہ تھانوی حضرات نے جب جمعیت علماء اسلام قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو قیادت کے لئے ان کی نظریں علامہ عثمانیؒ پر پڑیں، اور ان کو منصب صدارت تفویض کیا۔ ان کے انتقال کے بعد تھانوی حضرات نے اس جمعیت کے نام میں تبدیلی کرتے ہوئے مرکزی جمعیت علماء اسلام کے نام سے چلانے کی کوششیں کیں، لیکن کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر مرکزی جمعیت علماء اسلام پردہ عدم میں چلی گئی، اور علامہ عثمانیؒ کی صدارت والی ''جمعیت علماء اسلام'' سے موسوم جماعت کو مدنی حضرات نے سنبھالا، اور آج تک ایک فعال جماعت کے طور پر سیاست میں نمایاں ہے۔

---

❶ میرے والد میرے شیخ اور اُن کا مزاج و مذاق، مفتی محمد تقی عثمانی، ص ۱۱۸، ۱۱۹، ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۹۴ء

باب چہارم: وفاق المدارس اور سیاست

وفاق المدارس جو دیوبندی مدارس کی بڑی تنظیم ہے اور اس پر تمام دیوبندی متفق ہیں، ان علماء کا بھی اس سے تعلق ہے جو عملی سیاست میں فعال ہیں اور ان علماء کا بھی جو عملی سیاست سے لاتعلق ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ اصلاً یہ غیر سیاسی تنظیم ہے، لیکن ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کے ساتھ جن مدارس کا تعلق ہے ان میں اکثریت ان مدارس کی ہے جن کے مہتممین اور منتظمین کی سیاست اور خصوصاً جمعیت علماء اسلام سے وابستگی ہے، اور ساتھ یہ کہ علماء دیوبند نے سیاست کو مذہبی سے علیٰحدگی کو کبھی تسلیم نہیں کیا ہے۔ لیکن اب عالمی طور پر بھی اور پاکستان کے سیکولر نظریات کے حامل حلقہ اور ارباب اقتدار بھی اس کوشش میں ہیں کہ مُلّا کو سیاست سے علیٰحدہ اور الگ کیا جائے، اور اس بارے میں شروع سے مختلف طریقوں سے جو کوششیں کی گئیں وہ اب تک ناکام رہی ہیں، اس لئے اب ان کی یہ کوشش ہے کہ مدارس کے اندر اور اس کے متعلق تنظیم سے یہ آواز اور نعرہ شروع ہو جائے کہ ہمارا اور ہمارے مدارس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس کا اثر یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ آگے جا کر ہمارا منصوبہ کامیاب ہوگا، اور مدارس اور مُلّا کا سیاست سے تعلق ختم ہوگا۔

لیکن تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند اور اس طرح کے دیگر مدارس کا قیام ہمارے اکابر کی مرہون منّت ہے، اسی طرح میدان جہاد میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، تحریک شیخ الہندؒ اور اس طرح کی دیگر تحریکات کی قیادت کا شرف ان کو حاصل ہے، اسی طرح میدان سیاست میں دارالعلوم دیوبند کی ممتاز شخصیت حضرت شیخ الہندؒ کی سرپرستی میں جمعیت علماء ہند کا قیام جس کی صدارت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور صدر مدرس حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے کی ہے، پھر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی صدارت میں جمعیت علماء اسلام کا قیام، جس کے منصب امارت پر امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ اور حافظ الحدیث مولانا عبداللہ درخواستیؒ فائز رہے، اور جس کی قیادت مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مجاہد ملّت مولانا غلام غوث ہزارویؒ

اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ اکوڑہ خٹک کو حاصل رہی۔ اور یہ سب کچھ ان اکابر علماء نے مدارس میں رہ کر اور مدارس سے تعلق جوڑ کر کئے ہیں، تو اس کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جب تک ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے والے موجود ہوں کوئی نہ سیاست کو مذہب سے علیٰحدہ کر سکے گا، اور نہ کوئی مدارس کا تعلق مذہب اور جہاد و سیاست سے ختم کر سکے گا۔

۱...... مدارس سے سیاست ختم کرنے کی پس پردہ قوتیں اور محرکات

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحبؒ کے قول کے مطابق یہ نظریہ کہ ''ادارہ کا تعلق سیاست سے نہیں،، انگریز دور اور حکومت کا پیدا کردہ ہے، چنانچہ حضرتؒ فرماتے ہیں: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز کے ظلم اور بربریت کی وجہ سے مسلمان اس قدر خائف ہو گئے کہ کانگریسی وزارتوں کے قیام سے بیشتر تک قومی اداروں کے دستور اساسی میں بسم اللہ کے بعد پہلا جملہ یہ ہوتا تھا کہ اس ادارہ کو سیاست سے قطعاً تعلق نہ ہوگا۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: مختصر یہ کہ انگریز انقلاب کی تباہ کاریوں نے مسلمانوں کو اس درجہ پیس ڈالا کہ عمل تو درکنار سیاست کے نام سے بھی وہ لرزنے لگے۔ ❶

حضرت سید سلیمان ندویؒ کے قول کے مطابق مذکورہ نظریہ کچھ گوشہ نشین علماء اور خانقاہ نشین صوفیاء کا رہا ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں: کہ ایک مدت سے علماء کی گوشہ گیری اور صوفیاء کی خانقاہ نشینی نے عوام کو یہ یقین دلایا ہے کہ قیام سلطنت اور امور سلطنت میں دخل وتدبیر دنیا کا کام ہے جس سے اہل علم اور اہل خانقاہ کو کنارہ کش رہنا چاہئے۔ ❷

مصر کی مشہور شخصیت امام حسن البناءؒ نے فرمایا: ہم آج دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لوگ اپنی گفتگو میں سیاست اور اسلام کے بارے میں اس طرح گفتگو کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتے ہیں، کبھی اپنی تنظیم کا تعارف اس طرح کرتے ہیں کہ یہ ایک

❶ علماء ہند کا شاندار ماضی، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ج ۴ ص ۹۸۳، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۹۷، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن

❷ سیرت النبی ﷺ، مولانا سید سلیمان ندوی متوفی ۱۹۵۳ء، ج ۷ ص ۱۴۲، دارالاشاعت کراچی، ط ۱۹۸۵ء

خالص اسلامی اور غیر سیاسی تنظیم ہے یا یہ دینی اور غیر سیاسی جلسہ ہے۔ مطلق سیاست کا انکار اور اسی کے ساتھ اسلام کا اقرار درست نہیں۔ ❶

استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بقول دین اور سیاست کی تفریق عیسائیت کے نظریات میں سے ہے، علماء کا فرض ہے کہ وہ اس نظریہ کی تردید کریں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: کہ عیسائیت دین اور سیاست کی تفریق کے قائل ہے وہ اس کا پرچار کرتی ہے کہ قیصر کو قیصر کا حق دو اور خدا کو خدا کا حق دو۔ عیسائیت میں دین اور سیاست کے آپس میں ربط اور علاقہ نہیں، دونوں الگ الگ چیز ہیں۔ اس نظریہ کو سیکولر نظریہ کہا جاتا ہے جو دین کے بارے میں نظام حیات کے قائل نہیں، اس طرح کا نظریہ حقیقت میں ایک طرح شرک والا نظریہ ہے اس اعتبار سے کہ اس میں دین کو چند مخصوص عبادتوں کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے، گویا کہ اللہ تعالیٰ کو تو عبادت کی حد تک معبود اور خدا مانتے ہیں اور سیاسی امور کا خدا دوسرا ہے، یہ نہیں ہے مگر شرک۔ مضبوط اور معتمد مسلمانوں نے ہمیشہ اس نظریہ کو رد کیا ہے اس لئے کہ اسلام جس کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے، اس میں اس طرح کے نظریہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام ضابطہ حیات ہے زندگی کے تمام شعبوں، سیاست اور معاشیات کے احکام کے متعلق ہدایات اس میں موجود ہیں۔ اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ اس سیکولر نظریہ کو رد کرنے کے لئے اپنا فرض ادا کریں۔

قد اشتهر عن النصارى انهم يفرقون بين الدين والسياسة بقولهم المعروف: "دع ما لقيصر لقيصر، وما لله لله"، فكانّ الدين لا علاقة له بالسياسة، والسياسة لا ربط لها بالدين، وان هذه النظرية الباطلة قد تدرجت الى ابشع سورها فى العصور الآخيرة باسم "العلمانية" او "سيكولر ازم" التى اخرجت الدين من سائر شؤن الحياة حتى قضت عليه بتاتا.

وان هذه النظرية فى الحقيقة نوع من انواع الاشراک بالله من حيث

❶ اسلام کا نظام سیاست وحکومت، مولانا پروفیسر محسن ندوی، ص ۲۹، نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی دہلی، ط ن

أنها للدين بسطة فى الحياة المادية،وانما تقصر سلطة الدين على رسوم وعبادات يمارسها المرء فى خلوته او فى معبده .فكأنّ الاله ليس الهاًالا فى العبادات والرسوم،وأما الأمور الدنيويةفلها اله آخر، والعياذ بالله. ولذلك لم يزل المسلمون الراسخون يردّدون على هذه النظريّة الزائغة فى كل زمان ومكان ،لأن له لا مجال لهافى الاسلام الذى يؤمن بعقيدة التوحيد فى أصح تعبيراتها وأكمل صورها،والذى قرر الأحكام الالهية فى جميع شؤن الحياة بما فيها السياسة والاقتصاد. فكان من واجب أهل العلم المسلمين أن يرفضوا هذه النظرية ويردّوا عليها ردّا علميا ناجعا.وقد قاموا بهذا الواجب والحمد لله. ❶

اس تفصیل اورا کابرین کے اقوال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مدارس اوراہل مدارس کا سیاست سے تعلق ختم کرنے کا نظریہ اورایجنڈا انگریز دورحکومت کا تھا اوراس سے یہ ایجنڈا ہمارے ارباب اقتدار اورسیکولرنظریات والوں کو ورثہ میں ملا ہے۔ چنانچہ اس سال ۲۰۱۹ء میں بھی ارباب اقتدار نے تنظیمات مدارس سے مدارس کی اصلاحات کے حوالے سے جب بات کی ہےتو اس میں سرفہرست یہ مطالبہ رہا کہ مدارس اوران کے اساتذہ اورطلبہ کا سیاست سے تعلق نہیں ہونا چاہئے۔اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب موجودہ وزیر اعظم عمران خان نے ۱۸اکتوبر کو کچھ علماءکوملاقات کے لئے مدعو کیا تھا،تو اس اجلاس کے بعد مدارس کی اصلاحات کے حوالے سے اخبارات میں عمران خان صاحب کا یہ بیان شائع ہوا کہ ہم مدارس میں اصلاحات لانا چاہتے ہیں،اوران کو سیاست سے پاک اور لاتعلق رکھنا چاہتے ہیں۔

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید   مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

❶ تکملۃ فتح الملہم ،المفتی محمد تقی العثمانی، کتاب الامارۃ ،مکانۃ السیاسۃ فی الدین ج۳ص۲۷۰،مکتبہ دار العلوم کراتشی، ط۱۴۱۵ھ

۲......ابتدا میں تھانوی حضرات کا وفاق المدارس سے بائیکاٹ

وفاق المدارس العربیہ کے قیام کے لئے اکابر کے مشورے ہوتے رہے، ان مشوروں میں تھانوی حضرات بھی شامل تھے۔ بالآخر ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو وفاق کا قیام عمل میں لایا گیا، ملک بھر کے کئی مدارس کے منتظمین اور نمائندوں نے الحاق کا فارم پُر کیا، اور ابتداء ۱۰۱ ارکانِ شوریٰ مقرر ہوئے، انہوں نے اسی تاریخ کو دستور کی منظوری کے ساتھ تین سال کے لئے عہدیداروں کا انتخاب کیا، انتخاب میں حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ وفاق کے پہلے صدر اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ پہلے ناظم منتخب ہوئے (اس وقت مفتی صاحبؒ کی عمر تقریباً چالیس سال تھی)، جبکہ دوسرے عہدیداراں میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نائب صدر اول اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ نائب صدر دوم اور مولانا مفتی عبداللہ صاحبؒ خازن مقرر کئے گئے۔ ❶

اب اس موقع پر مولانا مفتی محمود صاحبؒ کا انتخاب غیر متوقع طور پر سامنے آیا، اس لئے کہ بہت بڑے مشہور بزرگوں کی موجودگی میں ایک چالیس سال کی عمر والے پر ملک بھر کے اکابر شیوخ اور مہتممین کا اعتماد ایک غیر متوقع فیصلہ تھا، لیکن چونکہ حضرت امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوریؒ نے اپنی مصروفیات کی بنا پر ان کو اپنی جگہ پیش کیا تھا، حضرت لاہوریؒ کے بھرپور اعتماد حاصل ہونے کی وجہ سے مفتی صاحبؒ اس مقام اور منصب پر فائز ہوگئے، اس سے پہلے ۱۹۵۶ء کو جب حضرت لاہوریؒ جمعیت علماء اسلام کے امیر مقرر ہوئے تو انہوں اپنے ساتھ حضرت مفتی صاحبؒ کو اپنا نائب بنا کر جمعیت کے امور ان کے حوالہ کردیئے۔ حضرت لاہوریؒ ایک بڑے صاحب کشف بزرگ تھے، ان کو حضرت مفتی صاحبؒ کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا، اس لئے وفاق میں اپنی جگہ مفتی صاحبؒ کو بھیج دیا، وہ ظاہرا اپنی جگہ بھیجنا اور پیش کرنا تھا، لیکن حقیقت میں ان کو سب کا رہنماء بنانا تھا۔ اس لئے یہ

❶ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ساٹھ سالہ تاریخ، مولانا ابن الحسن عباسی، ص۴۴...۴۷، مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ط۲۰۱۷ء

کہا جاسکتا ہے کہ سیاست اور وفاق میں حضرت مفتی صاحبؒ کے امام اور رہنماء بننے میں جہاں خود مفتی صاحبؒ کی اپنی صلاحیتوں کا دخل ہے، اسی طرح حضرت لاہوریؒ کے اعتماد اور توجہات کا بھی بڑا دخل ہے۔ بہرحال جیسے وفاق المدارس کے ناظم کے طور پر حضرت مفتی صاحبؒ کا انتخاب ہوا تو تھانوی حضرات کو یہ فیصلہ ذرا پھیکا لگا اور آہستہ آہستہ ہٹنے لگے، حتی کہ بہت سے تھانوی حضرات نے وفاق سے الحاق بھی نہیں کیا، اور نہ مجلس شوری کے اور نہ مجلس عاملہ کے رکن بنے، جو یقیناً یہ فاق سے غیر اعلانیہ طور پر بائیکاٹ تھا۔ علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی آخر تک یہ کوشش رہی کہ کسی طور پر یہ ناراض حضرات وفاق میں شامل ہوں، اس لئے جب ۱۹۶۳ء میں دوبارہ عہدیداراں کا انتخاب ہوا تو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ کو صدر چنا گیا، اس لئے کہ وہ ایک غیر متنازعہ شخصیت اور مدنی اور تھانوی حضرات دونوں کے لئے ایک جیسے مقبول اور معتمد تھے، اور ساتھ یہ کہ کسی کو اس اعتراض کا بھی موقع نہ مل سکے کہ وفاق کے صدر اور ناظم دونوں پٹھان ہیں۔ لیکن اس کے باجود تھانوی حضرات الحاق کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

وفاق المدارس کے صدر اول حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے بیعت تھے، اور صدر دوم حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز تھے۔ تو اس کے باوجود تھانوی حضرات کا شکوہ محل نظر ہے، جیسا کہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ان الفاظ کے ساتھ شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وفاق المدارس مسلک دیوبند کی تنظیم کی خاطر میری تحریک اور میرے انتظام میں قائم ہوا تھا، تھانوی مسلک اور تحریک پاکستان سے وابستہ علماء کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا گیا، اور کانگریسی ذہن کے علماء کی سیاست کا اسے اڈہ بنایا گیا۔ (۱)

اور وقتاً فوقتاً وفاق کے ذمہ دار حضرات یہ وضاحت بھی کرتے رہے کہ وفاق ایک غیر

(۱) پاکستان کی پاک سیاست بمقابلہ منافقت، مرتب مولانا تنویر الحق، ص ۳۲۶، مکتبہ احتشامیہ جیکب لائن کراچی، ط ۲۰۰۹ء

سیاسی تنظیم ہے، تاکہ کسی کو اس بہانہ کا موقع نہ ملے کہ یہ تو سیاسی تنظیم ہے اس لئے ہم الحاق نہیں چاہتے ہیں، چنانچہ ۱۹۷۸ء میں صدر سوم علامہ محمد یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد مولانا مفتی محمودؒ جب وفاق کے صدر نامزد ہوئے، تو انہوں شوری کے پہلے اجلاس کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ وفاق کی یہ تنظیم سیاست سے الگ ہے اور الگ رہے گی، اس لئے ان حضرات کے لئے بھی اس میں شرکت کا دروازہ کھلا ہے جو سیاست سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ ❶

لیکن اس کے باجود ان کی سعی اور کوشش کارآمد نہیں ہوسکی۔ وفاق المدارس کے ستون اربعہ حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ سمیت حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے ان حضرات کو اپنے ساتھ ملانے اور شریک کرنے کی بھرپور کوششیں کیں، لیکن ان کی صدارت تک یہ حضرات وفاق میں شامل نہیں ہوئے۔ ان میں سے آخری صدر مولانا مفتی محمودؒ کے انتقال کے بعد تھانوی حضرات نے وفاق المدارس سے قربت اختیار کی۔ چنانچہ فاق المدارس کے قیام کے ۲۳ سال پورے ہونے پر ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم کراچی نے وفاق المدارس العربیہ سے الحاق کا فیصلہ کیا۔ ❷

حالانکہ جن مطالبات اور ترامیم کو بنیاد بنا کر الحاق کا فیصلہ کیا گیا، یہ ترامیم اور مطالبات حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے زمانہ صدارت میں زیادہ آسانی سے منظور کروائے جاسکتے تھے، لیکن معلوم نہیں کہ اُس وقت کیوں الحاق کرنے سے کتراتے رہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ اس دوران تھانوی حضرات نے اپنی سندات کو حکومت سے منظور کرا کر وفاق کی سند کے برابر کردیا ہے، چنانچہ دارالعلوم کراچی اور جامعہ اشرفیہ کی دورہ حدیث کی سند سرکاری طور پر وفاق المدارس کے عالمیہ کی سند کے برابر ہے۔

اب اگر تھانوی حضرات یہ دعوی کریں کہ وفاق ہمارے اکابر کے قائم کردہ ہے اور یہ

---

❶ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ساٹھ سالہ تاریخ، مولانا ابن الحسن عباسی، ص ۱۱۱، مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ط ۲۰۱۷ء ❷ دارالعلوم کراچی کا ترجمان ماہنامہ البلاغ، شمارہ جون ۱۹۸۲ء، ص ۹

ان کے مرہون منّت ہے، تو اس پر کوئی صاحب اشکال یہ اعتراض اٹھا سکتا ہے کہ آپ کے اکابر نے تو وفاق سے غیر اعلانیہ بائیکاٹ کیا تھا، پھر یہ دعوی کیسے؟ البتہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کو حق ہے کہ وہ یہ دعوی کریں کہ ''وفاق المدارس'' ان کے اکابر کا قائم کردہ ہے، اس لئے کہ ان کے والد محترم اپنی وفات تک اس کے ابتدائی ناظم اور پھر صدر رہے، اور بڑی جدوجہد اور انتھک محنت کی، اور ابتداء میں وفاق کو جن مشکلات کا سامنا ہوا اور ان کے حل کے لئے مولانا مفتی محمودؒ نے جو سعی اور کوشش کی ہے، وہ وفاق المدارس کی خدمات کا ایک اہم باب ہے۔ ❶

۳......حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی شان جامعیت

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ ایک جامع الاوصاف بزرگ اور رہنماء تھے، ایک طرف اگر وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے خلیفہ مُجاز تھے، تو دوسری طرف وہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ کے شاگرد تھے، جس کی وجہ سے ان کو تحریکات اور سیاسیات سے بھی تعلق تھا۔ اس لئے ہم ان کو صرف تھانوی شمار نہیں کرتے ہیں، بلکہ وہ تھانویت اور مدنیت دونوں کے جامع تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ابتداء میں بہت سے تھانوی حضرات نے اپنے مدارس اور جامعات کا وفاق سے الحاق نہیں، بلکہ غیر اعلانیہ بائیکاٹ کیا، تو اس وقت حضرت جالندھریؒ نے نہ صرف اپنے جامعہ کا وفاق سے الحاق کیا، بلکہ وفاق کے سہارا بن کر اس کے بانیوں میں سے ہوگئے۔ وفاق کے ناظم اول مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمودؒ وفاق کے امتحان کے حوالے سے ابتدائی مشکلات اور ان کے حل کے لئے بھاگ دوڑ اور جدوجہد کا جب ۱۹۶۱ء میں تذکرہ کرتے ہیں، اس میں سہارا بننے اور رہنمائی کرنے پر حضرت جالندھریؒ کے شکریہ اور عقیدت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

سب سے آخر میں احقر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب کا شکر وسپاس اپنا اہم ترین

---

❶ دیکھیں: وفاق المدارس العربیہ پاکستان ساٹھ سالہ تاریخ، مولانا ابن الحسن عباسی، ص ۳۶۶ تا ۳۷۸، مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ط ۲۰۱۷ء

فرض اور موصوف کی رہنمائی کے اعتراف کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے جنھوں نے ہر موقع پر اپنی شدید مصروفیتوں کے باوجود احقر سے تعاون فرمایا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر موصوف کی رہنمائی اور مفید مشوروں کا سہارا نہ ہوتا تو احقر کسی طرح بھی اس بارگراں سے سبکدوش نہ ہوسکتا تھا۔ حضرت والا کی ذات اقدس اور آپ کا وجود وفاق کے لئے سایہ رحمت ہے۔ حق تعالیٰ ان کے سایہ شفقت کو اشاعت واستحکام دینیہ کے لئے مدت دراز تک قائم رکھے۔ آمین۔ ❶

اس بنا پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ کے مزاج اور دوسرے تھانیوں کے مزاج میں کئی اعتبار سے فرق تھا، اور طریقہ کار کے اعتبار سے تھانیویت سے زیادہ وہ مدنی مزاج والے نظر آتے ہیں۔ یہاں پر ان چند فرقوں کو واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ اس بارے میں ہمارے موقف کو تقویت اور دعوی مع الدلائل ثابت ہوجائے۔

۱...... وہ ابتدائی تین سال وفاق کے نائب صدر اور پھر ۱۹۶۳ء سے لیکر اپنی وفات ۱۹۷۰ء تک سات سال وفاق کے صدر رہے، جبکہ دوسرے اکثر تھانوی حضرات اس دوران وفاق سے دور تھے۔

۲......ان کے خصوصی طور پر یہ تین اوصاف بیان کے گئے ہیں جو ان کے مدنی مزاج ہونے پر دلالت کرتے ہیں: (الف) بڑے محتاط بزرگ اور صلح کل (مدنیت اور تھانویت) کے مسلک رکھتے تھے۔ (ب) وہ اپنے حلقہ میں ''ملفوظات حکیم الامت'' کی طرح حضرت مدنیؒ کی ''نقش حیات'' پڑھتے پڑھاتے رہے۔ (ج) جب وہ جالندھر ہندوستان میں تھے، تو حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جالندھر کے مضافات میں کسی تقریب اور جلسہ میں تشریف لائے، تو حضرت جالندھریؒ نے باقاعدہ مدرسہ میں تعطیل کرائی اور فرمایا کہ جاکر مدنی صاحب کی تقریر سنیں اور ان کی زیارت کرآئیں پھر شاید کبھی یہ موقع میسر نہ آئے۔ ❷

۳......ان کے ادارے میں حضرت مولانا محمد امین اوکاڑویؒ جیسے مناظر استاذ رہے

❶ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ساٹھ سالہ تاریخ، مولانا ابن الحسن عباسی، ص ۳۷۸، مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ط ۲۰۱۷ء

❷ خیر الفتاوی، مرتب مولانا مفتی محمد انور، ما یتعلق بالتاریخ، ج ا ص ۵۰۴، ۵۰۵، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ط ن

ہیں، جبکہ تھانوی حضرات اس طرح کے مناظروں اور دروس سے اجتناب کے قائل ہیں۔

۴......ان کے قائم کردہ ادارہ جامعہ خیر المدارس کے سالانہ پروگرام اور ختم بخاری کے موقع پر اگر ایک طرف شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب نظر آتے ہیں، اسی تقریب میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی نظر آتے ہیں۔ اور یہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب قدس سرہ کے مزاج وسیع کے اثرات ہیں۔

۵......کسی زمانہ میں جمعیت علماء اسلام کے پرچم کے بارے میں مدنی حضرات اور تھانوی حضرات کا اختلاف رہا، مدنی حضرات اس کو پرچم نبوی قرار دیتے تھے، جبکہ تھانوی حضرات اس کا انکار کرتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس پر "علم نبوی کی تحقیق" کے نام سے رسالہ تصنیف کیا ہے جو جواہر الفقہ کا جز ہے، انہوں نے اس کو پرچم نبوی تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ یہی سوال جب جامعہ خیر المدارس میں آیا، تو اس کے مفتیان کرام نے تحقیق کے بعد اس کو پرچم نبوی قرار دینے کو راجح قرار دیا۔

سوال اس طرح تھا: جمعیۃ علماء اسلام ۱۹۵۳ء سے چلی آرہی ہے، ۱۹۶۹ء کے آخر میں دو گرہوں میں تقسیم ہوگئی۔ اول تھانوی گروپ، دوسرا مفتی محمود گروپ۔ دوسرا گروپ اپنے جھنڈے کو عوام کے سامنے لایا اور کہا کہ یہ پرچم نبوی ہے۔ دلیل میں مشکوٰۃ جلد۲ ص ۳۳۸ کی حدیث پیش کی اور بھی کئی حدیثیں پیش کیں۔ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ۱۸ ستمبر ۱۹۷۰ء کو قلعہ کہنہ ملتان میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جھنڈا پرچم نبوی نہیں ہے یہ کانگریسی علماء ہند کا جھنڈا ہے، لیکن دلائل سے تعرض نہیں کیا۔ آپ اس معمہ کو حل فرمائیں کہ اصل حقیقت کیا ہے؟

اس کے جواب میں جامعہ خیر المدارس ملتان کے مفتیان کرام نے احادیث اور دوسری کتابوں کے حوالے اور عبارتوں سے مفصل جواب دیکر آخر میں اس کا خلاصہ یہ پیش کیا ہے:

پس ان روایات کی بنا پر جمعیۃ علماء اسلام کا جھنڈا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے جھنڈے کا مصداق ہے۔ اور اسے رنگ میں مشابہہ پر پرچم نبوی کہنا بظاہر درست ہے۔ [1]

۶......تھانوی حضرات نے جمعیت علماء اسلام کے خلاف جو فتویٰ صادر کیا تھا، اس پر

[1] خیر الفتاوی، مرتب مولانا مفتی محمد انور، ما یتعلق بالتاریخ، ج۱ ص ۵۰۵، ۵۰۶، مکتبہ امدادیہ، ملتان، ط ن

کئی تھانوی حضرات کے دستخطیں موجود ہیں، لیکن حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ اور جامعہ خیر المدارس کے دستخط نہیں ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے تھانوی حضرات اور حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کے مزاج اور طریقہ کار میں واضح فرق ہے۔

چونکہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا مدنی حضرات کے ساتھ بھی تعلق تھا، اس لئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ان کے بارے میں یوں فرماتے ہیں: جمعیت علماء اسلام میں کانگریسیوں کو شامل کرنے کی ابتداء حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم نے کی۔ کیونکہ حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور مولانا محمد علی جالندھریؒ سے ان کا قریبی تعلق تھا۔ مزید فرماتے ہیں: ادھر صاحب زادگان (مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا محمد مالک کاندھلوی) کے توسل سے اندر خانے مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے قلوب کے گوشے مودودی کے لئے نرم رہے۔ اس نرمی میں مرعوبیت بھی شامل تھی اور مفاد پرستی بھی۔ ❶

۴......وفاق المدارس اور حکومت معاہدہ اور اس پر اشکالات

۱۶، ۱۷، ۱۸ جولائی ۲۰۱۹ء کو مدارس کے حوالے سے ملاقاتوں اور مذاکرات کے بعد چیف آرمی اسٹاف جنرل قمر باجوہ صاحب اور وزیر تعلیم شفقت محمود صاحب اور تنظیمات مدارس کے نمائندہ وفد کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ تنظیمات مدارس کے اس وفد میں وفاق المدارس کی طرف سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب، تنظیم المدارس کی طرف سے مفتی منیب الرحمٰن صاحب، صاحبزادہ عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب، وفاق المدارس السّلفیہ کی طرف سے مولانا ڈاکٹر یاسین ظفر صاحب، رابطۃ المدارس کی طرف سے مولانا عبد المالک صاحب، مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب، وفاق المدارس الشیعہ کی طرف سے علامہ ریاض حسین نجفی، اور علامہ افضل حیدری صاحب شریک ہوئے۔ اس موقع پر سب کی نمائندگی کرتے ہوئے مفتی منیب الرحمٰن صاحب نے ایک عرضداشت چیف آرمی اسٹاف صاحب کے

❶ متاع احتشام الحق، ص ۳۴۶، بحوالہ مولانا تنویر الحق تھانوی زید مجدہ کو دعوت غور وفکر، ص ۱۳، قادری تنویر احمد شریفی، مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ کراچی۔ ط ۲۰۱۳ء

سامنے پیش کی۔اس میں شق ۱۳ جو ہے وہ اس طرح ہے: ہر باشعور جانتا ہے کہ ملک سیاسی ومعاشی عدم استحکام سے دوچار ہے، ایسے میں ملک کو ہر شعبے میں استحکام کی اشد ضرورت ہے، دینی مدارس وجامعات اور تنظیمات مدارس نہ سیاسی عمل کا حصہ ہے اور نہ اس کا حصہ بننا چاہتے ہیں، ہم ملک میں جاری انتشار کا حصہ بھی نہیں بننا چاہتے، لہٰذا دینی مدارس وجامعات اور تنظیمات مدارس پاکستان کو بند گلی میں نہ دھکیلا جائے، ہمارے مسائل کو ہمدردانہ طریقے سے حل کیا جائے۔ ❶

حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب کی پیش کردہ یہ عرضداشت کی مذکورہ شق مدارس کی سیاست سے لاتعلقی کی طرف پہلا قدم ہے، جس پر اگر عمل کیا جائے تو کسی حد تک سیکولر طبقے کے دیرینہ خواب پورا کرنے کی شروعات ہے۔اس کے علاوہ اس پر ایک طالب علم کے طور پر بھی کچھ اشکالات ہیں۔

۱...... یہ کہ اس معاہدے میں رابطۃ المدارس کی طرف سے مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب شریک تھے، کیا ان کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ ان کا سیاسی عمل سے تعلق نہیں ہے اور نہ اس کا حصہ ہیں؟ وہ جس طرح جماعت اسلامی کے مدارس کے نمائندہ ہیں، اسی طرح وہ سیاسی طور پر بھی جماعت اسلامی کے عہدیدار اور رہنما ہیں۔اور ۲۰۰۲ء کے انتخابات میں جماعت اسلامی کی طرف سے متحدہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر دونوں حضرات قومی اسمبلی کے ممبر رہ چکے ہیں، اور گزشتہ انتخابات میں بھی ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب جماعت اسلامی کے امیدوار تھے۔

۲...... یہ جو بیانیہ ہے کہ ”دینی مدارس وجامعات اور تنظیمات مدارس نہ سیاسی عمل کا حصہ ہے اور نہ اس کا حصہ بننا چاہتے ہیں“ کیا وفاق المدارس کا اس پر پورا عمل رہا ہے؟ اس لئے کہ ملکی اور بین الاقوامی بہت سے مسائل ایسے سامنے آئے ہیں کہ ان کا تعلیم اور تعلم سے تعلق نہیں، بلکہ سیاست سے ان کا تعلق تھا، اور ان پر وفاق المدارس نے بحیثیت تنظیم احتجاج یا اپیل کے طور پر سیاسی عمل کا اظہار کیا ہے۔ہم زیادہ دور کی مثال نہیں دیتے ہیں،

❶ ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، اگست ۲۰۱۹ء، ص ۱۹، ۳۰، ۳۱

بلکہ اس معاہدہ کے صرف ایک مہینہ بعد ۹ اگست ۲۰۱۹ء کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اپیل ملک گیر یوم یکجہتی کشمیر منایا گیا، چنانچہ اس بارے میں اس طرح کی تفصیل شائع ہوئی:

اسلام آباد (۹ اگست ۲۰۱۹) وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اپیل پر ملک گیر یوم احتجاج منایا گیا، کراچی سے لیکر خیبر تک ملک بھر کے مدارس اور مساجد کے منبر ومحراب سے مظلوم کشمیریوں کی حمایت میں گونج اٹھے، جمعہ کے اجتماعات میں بھارتی جارحیت اور اس کے گھناؤنے کردار کے خلاف قراردادیں منظور کی گئیں، بھارت کی طرف سے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو نظر انداز کرنا اور مقبوضہ کشمیر میں وحشیانہ طاقت کا استعمال عالمی برادری کے منہ پر زوردار طمانچہ ہے، غاصب بھارت کی طرف سے ان کے آئین کی شق ۳۷۰ کے خاتمے اور کرفیو کے ذریعے کشمیر پر قبضے کو طول دینے کے اقدام نے خطے کے امن وامان کو خطرے میں ڈال دیا ہے، کشمیری بھائیوں پر کسی قسم کا ظلم اور ان کی مرضی کے خلاف ان پر فیصلہ مسلط کرنا کسی صورت میں قابل قبول نہیں، عالمی برادری کشمیریوں کے حق خود ارادیت کیلئے فیصلہ کن کردار ادا کرے اور ہمارے حکمران بھی خواب غفلت سے بیدار ہوں اور بھارت کو غاصبانہ اور ظالمانہ اقدامات سے باز رکھنے کیلئے کردار ادا کریں، ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس کے صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی محمد نعیم نے کراچی میں، مولانا محمد حنیف جالندھری نے ملتان میں، مولانا انوار الحق نے اکوڑہ خٹک میں، مولانا حافظ فضل الرحیم نے لاہور میں، مولانا محمد طیب اور مولانا قاری محمد یاسین نے فیصل آباد میں، مولانا زبیر احمد نے شجاع آباد میں، مولانا گلزار قاسمی نے گجرانوالہ میں، مولانا مفتی صلاح الدین نے کوئٹہ میں، مولانا حسین احمد نے پشاور میں، مولانا سعید یوسف نے آزاد کشمیر میں، اور مولانا ظہور احمد علوی نے اسلام آباد میں اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ (۱)

اور یقیناً اس طرح کے یوم یکجہتی منانا، اس کی اپیل کرنا اور قرار دادیں منظور کرنا تعلیم

(۱) ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، ستمبر ۲۰۱۹ء، ص ۵۹

وتعلم کا حصہ نہیں، بلکہ ایک سیاسی اور مذہبی عمل کا حصہ ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس طرح کے سیاسی عمل سے ہمارے مقتدر حلقے ناراض نہیں ہوتے، اس لئے سیاسی عمل کے باوجود اس کو روا رکھا جاتا ہے، لیکن جب جمعیت علماء اسلام قادیانیوں کو رہائی اور سہولت دلانے والی قوتوں یا اسرائیل اور یہودیوں کے تسلیم کی بات اور بیانات دینے والی قوتوں سے سرپیکار ہو، تو ایسے مذہبی سیاسی مسائل میں پھر وفاق المدارس یا تنظیمات عملی سیاست سے اگر بیزاری اور لاتعلقی کے فیصلے اور معاہدے کرتے ہیں، تو ایسی صورت حال میں یہ اشکال ضرور پیدا ہوگا کہ یہ لاتعلقی اس وجہ سے ہے تاکہ مقتدر حلقے ناراض نہ ہوں۔

۳...... اس معاہدے اور بیانیہ میں جامعات اور مدارس کا سیاسی عمل کا حصہ نہ بننے کے الفاظ شامل کے گئے ہیں، اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی قیادت میں ہونے والا آزادی مارچ میں وفاق المدارس العربیہ کے ساتھ ملحق بہت سے جامعات اور مدارس کے مہتممین، اساتذہ کرام، طلبہ اور وفاق کی مجلس عامل کے اراکین نے بھرپور شرکت کی، ان میں سے بہت سے حضرات نے بیانات بھی کیے۔ اب اس کا مطلب تو یا سمجھا جائے گا کہ شریک ہونے والے حضرات نے ان کے اس طرح کے فیصلوں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا، اور یا یہ کہ اس طرح کے فیصلے صرف مقابل کے دباؤ کو کم کرنے اور مطمئن کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، کوئی حقائق پر مبنی فیصلے نہیں ہوتے۔

۴...... وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کے دوسرے بیانات سے مدارس اور سیاست کے درمیان گہرا تعلق معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے ایک اردو چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا: جب اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے تو اس کا تعلق عقائد سے بھی ہے، اس کا تعلق عبادات سے بھی ہے، اس کا تعلق ہمارے سیاسی نظام سے بھی ہے، ہمارے پارلیمانی نظام (عملی سیاست) سے بھی ہے، ہمارے بزنس سے بھی ہے، ہمارے عدالتی نظام سے بھی ہے، تو پھر ہمیں اسلام کی تعلیم چاہیے ہوگی، اور اسلام کی تعلیم جہاں ہوتی ہے اس کا نام مدرسہ ہے۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان جو ایک

نظریاتی ریاست ہے اور جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے جو اس کے آئین کا تقاضا ہے، تو پاکستان کی نظریاتی ریاست اور اس کے تقاضے کے مطابق اگر تعلیم دے رہا ہے تو وہ مدرسہ دے رہا ہے۔ ❶

۱۰ فروری ۲۰۱۹ء جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں منعقدہ ''پیغام مدارس علماء کنونشن'' سے خطاب کرتے ہوئے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس صاحب نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! مسلمان ملکوں میں مدرسہ کی وہی حیثیت ہے جو ہمارے جسم میں دل کی حیثیت ہے، دعوت تبلیغ یہاں سے نکلی، تصنیف وتالیف یہاں سے نکلی، جہاد یہاں سے نکلا، اسلامی سیاست یہاں سے نکلی۔ ❷

بہرحال ہم جب یہاں تجزیہ کرتے ہیں تو جس طرح ملکی سیاست میں دائیں بازو اور بائیں بازو والی جماعتوں کی تقسیم ہوتی ہے، ایسی طرح مذکورہ فیصلوں میں غیر اعلانیہ طور پر حسب سابق مدنی اور تھانوی جماعتوں کی تقسیم نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تھانوی حضرات آزادی مارچ سے خود بھی لاتعلق نظر آئے، اور اساتذہ وطلبہ کو بھی سختی سے پابند کیا کہ کسی طور پر شرکت نہ کریں، جبکہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن وغیرہ جامعات نے اپنے اساتذہ اور وفود بھیج کر ایک بار پھر اپنا کردار ادا کیا، حالانکہ وفاق المدارس کی صدارت اس وقت اس کے پاس ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جامعات اور مدارس کو سیاسی عمل کا حصہ نہ بننے والے معاہدات اور فیصلے محل نظر ہیں۔

بعض حضرات جن کا نقطہ نظر یہ ہے ''کہ مدارس کا سیاست سے کسی طور پر تعلق نہیں ہونا چاہیے، تقسیم کار کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ تقسیم کار کے تحت مدارس کا کام صرف تعلیم و تعلم ہے اور سیاسی میدان کے لئے مدارس کے علاوہ افراد اور رجال ہیں جو سیاسی میدان میں مصروف عمل ہوں''۔

---

❶ ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، صفر ۱۴۴۰ھ، ص ۲۰، ۲۱

❷ ماہنامہ وفاق المدارس ملتان، رجب المرجب ۱۴۴۰ھ، ص ۱۴

ہمیں تقسیم کار کی افادیت سے انکار بالکل نہیں، تقسیم کار ہونا چاہیے لیکن دو شرطوں کے ساتھ، ایک شرط یہ کہ ایک دینی کام میں لگنے کے ساتھ دوسرے دینی کام اور شعبہ کو ضائع نہیں سمجھنا چاہیے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے بقول: ایک دینی کام میں لگنا اور دوسرے کو ضائع سمجھنا بے انصافی ہے۔ ❶

لہذا درس وتدریس میں مصروف ہونے والے سیاسی حضرات کو اور سیاسی حضرات درس وتدریس میں مصروف ہونے والے کو ضائع نہ سمجھیں۔ یہ سب دین کے شعبے ہیں۔ تعلیم وتعلم دین کی بنیاد ہے اس سے دین کی بنیاد پڑتی ہے، تصوف اور تزکیہ سے روحانی قوت پیدا ہوتی ہے، تبلیغ سے اشاعت دین ہوتی ہے، جہاد سے استحکام ودفاع دین ہوتا ہے اور سیاست سے تکمیل دین ہوتی ہے۔ تقسیم کار کے تحت جو جس شعبے سے منسلک ہو وہ درست ہے لیکن دوسرے شعبے والوں کو ضائع اور غیر مفید نہیں سمجھنا چاہیے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تقسیم کار اپنی جگہ صحیح اور درست ہے، لیکن خاص موقع اور حسب ضرورت ایک شعبہ والوں کو دوسرے شعبوں والوں سے تعاون اور مدد کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ کوئی پوری زندگی صرف ایک ہی شعبے سے منسلک ہو اور زندگی بھر دوسرے شعبوں سے الگ تھلگ اور لاتعلق رہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بقول: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تقسیم کار کے اصول کے تحت اپنے متعلقین کو مختلف شعبوں اور کاموں میں تقسیم کیا تھا، حضرت مولانا سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا عبد الحیؒ اور ان کے رفقاء وعظ ونصیحت اور جہاد کی تیاری میں مصروف عمل تھے، دوسری طرف حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے دوسرے شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ، مولانا شاہ محمد یعقوبؒ، مولانا صدر الدینؒ، مولانا رشید الدینؒ اور مولانا فضل حق خیر آبادیؒ کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تعلیم وتدریس میں لگا دیا تھا، لیکن ساتھ یہ حضرات مجاہدین کے لئے بھی پشت

---

❶ الاعتدال فی مراتب الرجال (اسلامی سیاست)، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا متوفی ۱۹۸۲ء، ص ۶۸، اتحاد بک ڈپو دیوبند، ط ن

پناہ بن کر ان کی ضروریات اس طرح پوری کرتے رہیں گے کہ انگریزوں کی نظر میں نہ کھٹکیں۔ چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ اور ان کے بھائی شاہ یعقوب صاحبؒ دہلی میں بیٹھ کر مجاہدین کی تمام ضروریات کو انجام دیتے رہے۔ ❶

یہی شاہ محمد اسحاق دہلویؒ جو بظاہر خالص محدث اور مدرس لگتے تھے، ہجرت کے بعد حجاز میں تحریک آزادی جہاد کے لئے چندہ اکٹھا کر رہے تھے۔ ❷

اصحاب صفہ سے زیادہ کون علم کے شیدائی اور تعلیم و تعلم کے افراد ہو سکتے ہیں، لیکن ضرورت کے موقع پر وہ جہاد میں بھی نظر آتے ہیں دعوت و تبلیغ کا کام بھی وہ ساتھ کرتے ہیں اور قضاء اور سیاست و سیادت کو بھی سنبھالتے ہیں۔ چنانچہ محقق العصر حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ فرماتے ہیں: تعلیم میں دین و دنیا کی تفریق مغرب کی لعنت ہے، دینی نصاب حکومت اور درویشی کا جامع ہے، اسلام میں دین دنیا جدا نہیں۔ اسلام کے سب سے پہلے مدرسے میں ۷۰ طلبہ تھے جو اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیئے جاتے ہیں اس مدرسہ میں صرف مبلغ اور ائمہ مساجد پیدا نہیں کیئے جاتے تھے۔ بلکہ وہاں کے فارغین ایک طرف مبلغ تھے تو دوسری طرف جہاد کی کمان ان کے سپرد کی جاتی تھی۔ چنانچہ تبوک میں تمام اصحاب صفہ شامل تھے، صرف ایک عبداللہ ذوالبجادینؓ رہ گئے، جس نے تمنا کی پھر اسے بھی جنگ پر روانہ کیا گیا۔ انہی حضرات نے مسجد کو بھی سنبھالا اور حکومت کو بھی۔ ❸

بہرحال تقسیم کار کے باوجود ایک دوسرے کو ضائع نہیں سمجھنا چاہیے اور حسب ضرورت ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔

۵......وفاق المدارس کے ایک ذمہ دار کا غیر ذمہ دارانہ بیان

وفاق المدارس العربیہ کے ناظم امتحانات کے حضرت مولانا عبدالمجید صاحب نے

❶ نقش حیات، مولانا سید حسین احمد مدنی متوفی ۱۹۵۷ء، ج ۲ ص ۴۳۳، ۴۳۴، دارالاشاعت کراچی، ط ن

❷ علماء میدان سیاست میں، حکیم محمود احمد ظفر، ص ۳۱۱، ۳۱۲، بیت العلوم لاہور، ط ن

❸ مقالات افغانی، مرتب مولانا عبدالغنی، ج ۲ ص ۳۶۰، مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور، ط ن

حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ کی وفات پر ان کی حیات اور یاد پر ایک مضمون وفاق المدارس کے ماہنامہ رسالہ میں شائع کیا، جس میں انہوں حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمات پر روشنی ڈالی، اس میں انہوں وفاق المدارس کے حوالے سے حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اس عنوان سے ذکر فرمایا: وفاق کو سیاست کی آلودگی سے پاک رکھنے کا اہتمام: اور پھر اس کے تحت فرمایا: حضرتؒ نے وفاق کی ترقی واستحکام کے لئے اسے غیر سیاسی رکھنا ضروری سمجھا، چنانچہ اجلاس منعقدہ ۲۱ جمادی الاخری ۱۴۰۶ھ مطابق ۳ مارچ ۱۹۸۶ء کو دستور کی دفعہ نمبر۴ ضابطہ کار میں یہ ترمیم کی گئی کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ایک خالص تعلیمی وغیر سیاسی تنظیم ہوگی۔اس کا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔اور وفاق بحیثیت وفاق نہ کوئی سیاسی موقف اختیار کرے گا، اور نہ اس بارے میں ملحق مدارس وجامعات کو کوئی ہدایت جاری کرے گا۔ ❶

اس میں یہ عنوان ''وفاق کو سیاست کی آلودگی سے پاک رکھنے کا اہتمام'' محل نظر اور قابل اشکال ہے، اس لئے کہ مدارس اور علماء جو سیاست کرتے ہیں وہ ایک دینی اور مذہبی سیاست ہوتی ہے، جو دین کا ایک شعبہ ہے، اس کو آلودگی سے تعبیر کرنا ایک دینی شعبہ کو آلودگی سے تعبیر کرنے کے مترادف ہے۔ہم یہاں پر چند اکابر کے ایسے اقوال کو نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سیاست دین اور شریعت کا جز اور حصہ ہے۔

علامہ ابن قیمؒ سیاست شرعی کو دین کا جز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ اصحاب علم اور اہل ذوق جانتے ہیں کہ سیاست عادلہ شریعت کا ایک اہم جزء ہے، البتہ سیاست ظالمہ شریعت میں حرام ہے۔اہل علم اور سمجھدار ان دونوں میں فرق جانتے ہیں، اور دونوں میں فرق نہ کرنا اور دونوں کو خلط ملط کرنا جاہلوں کا کام اور عمل ہے۔

ومن له ذوق فی الشریعة و اطلاع علی کمالاتها... تبین له ان

❶ وفاق المدارس العربیہ پاکستان ساٹھ سالہ تاریخ، مولانا ابن الحسن عباسی، ص۲۹۷، مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ط۲۰۱۷ء

السیاسة العادلة جزء من اجزائها و فرع من فروعها ... فان السیاسة نوعان : سیاسة ظالمة فالشریعة تحرمها ،وسیاسة عادلة تخرج الحق من الظالم الفاجر فهی من الشریعة،علمها من علمها ،وجهلهامن جهلها. ❶

مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: **مذہب عین سیاست شرعیہ ہے،اور سیاست شرعیہ عین مذہب ہے۔** ❷

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: **وہ مذہب کامل نہیں جس میں سیاست نہ ہو،اور وہ سیاست ہی نہیں جس کے ساتھ تلوار نہ ہو۔** ❸

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ فرماتے ہیں: اسلام میں سیاست دین اور مذہب سے علیحدہ نہیں، اگر علیحدہ کیا جائے گا تو نہ حقیقی سیاست قائم رہے گی نہ حقیقی دیانت۔ اگر دیانت نہ ہوتو صرف سیاست سے جور و استبداد ہوگا، اور اگر سیاست نہ ہوتو صرف دیانت کمزور، بے کس اور بے بس ہو جائیگی۔کوری سیاست سے دنیا کبھی امن وچین کا منہ نہیں دیکھ سکتی اور نہ ہی عالم بشریت کی اصلاح ہوسکتی ہے، یورپ میں نہ سیاست محضہ کی کمی ہے اور نہ قوانین کی پھر بھی وہاں انسانیت کی تباہ کاری ،عداوتوں اور درندگی میں روز بروز اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں اگر چہ سیاست کی کمی نہ ہے لیکن کمی ہے دیانت کی۔اسی طرح دیانت بلا سیاست کمزوری اور فتنوں کے راستوں پر گامزن ہوتی ہے ،مشرق اور مسلمانوں کے ممالک میں دیانت ہے لیکن سیاست کی کمزوری اور غلامی ذہنیت کی وجہ سے نئے نئے فتنے الحاد، بدعات اور منکرات کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔پس اگر مغرب کی سیاست اس کے حق میں اس لئے مہلک ہے کہ اس کے ساتھ دیانت شامل نہیں تو مشرق کی دیانت اس لئے کمزور اور غیر مستحکم ہے کہ اس کی پشت پر سیاسی طاقت نہیں ،مغرب میں اگر

❶ الطرق الحکمیة ، محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیة المتوفی ۷۵۱ھ، الحکم بالقرائن ص۴ ،مکتبة دار البیان، ط ن ، بدائع الفوائد، محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیة المتوفی ۷۵۱ھ، ج۳ ص۱۱۷، دار العربی بیروت، ط ن ❷ کفایت المفتی ،مفتی کفایت اللہ دہلوی متوفی ۱۳۷۲ھ، ج۹ ص۳۶۵، دارالاشاعت کراچی، ۲۰۰۱ء ❸ سیرت خاتم الانبیاء، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، ص۵۴، مکتبہ اشرفی کراچی، ط ن

فقدان دیانت سے مادی مصائب، مہلک امراض وغیرہ کا ظہور ہو رہا ہے، تو مشرق میں فقدان سیاست سے روحانی امراض الحاد، بے دینی، بدعت وغیرہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اس لئے اسلام نے دین کی رہبانیت کو ختم کر کے اس کے ساتھ سیاست و سلطنت ملائی اور سلطنت کی ملوکیت کو ختم کر کے اس کو دیانت اور خلافت الٰہی کا جامہ پہنایا۔ جس سے دیانت و سیاست کا ایک حکیمانہ امتزاج قائم ہوا۔ بہر حال اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں، نہ مذہب سے الگ سیاست کوئی چیز ہے اور نہ سیاست سے الگ مذہب کوئی چیز ہے۔ اسلام میں جیسے دیانات مذہب کا جزء اعظم ہے اسی طرح سیاسیات میں بھی مذہب کا جزا اہم ہے۔ پھر ان دونوں میں دیانت اصل اور مقصود بالذات ہے اور سیاست اس کے بقاء واستحکام کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اسلام نے جیسے دیانت کی بنیاد پانچ اساسی چیزوں پر کلمہ تو حید، نماز، زکوۃ، صیام اور حج پر رکھی ہے ایسے ہی سیاست کی بنیاد بھی پانچ ہی اصولی چیزوں پر قائم ہے جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور جہاد۔ (1)

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے مزید بڑی جامع بات ارشاد فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں: کہ قرآن حکیم کے اصلاحی پروگرام کے تین بنیادی اصول ہیں: تعلیم احکام، تزکیہ نفس یا تہذیب اخلاق اور تیسرا اصول تنظیم اعمال اور تلقین حکمت۔ عرف عام میں اول کا لقب شریعت ہے، دوسرے کا طریقت اور تیسرے کا سیاست۔ ان تینوں سے دین مرکب ہے، اسلام میں ان تینوں کے بغیر چارۂ کار نہیں اور نہ ایک کے بغیر دوسرے کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ شریعت سے راہ معلوم ہوتی ہے، طریقت سے اس راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے اور سیاست سے راہ کے روڑے صاف ہوتے ہیں اور راستہ کی رکاوٹیں دور ہوتی ہیں۔ ایک منزل تک پہنچنے کے لئے ان تینوں کا ہونا ضروری ہے، راہ معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر مسافت طے کرنا مشکل ہے، طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے اگر چلنے کی طاقت نہ ہو خود یا کسی کے ذریعہ تو پھر مقصود تک پہنچنا کیسے ہوگا؟ اور رکاوٹیں دور ہونا بھی ضروری ہے

(1) خطبات حکیم الاسلام، مولانا قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، مذہب اور سیاست، ج ۵ ص ۴۵۴...۴۶۲، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۹۸ء

ورنہ پُر خار اور پُر خطر راستے سے جانا خطرہ سے خالی نہیں۔ پس شریعت راہ ہے، طریقت راہ کی قوت ہے اور سیاست تصفیہ راہ ہے۔

پھر حضرت قاری صاحبؒ نے تینوں کا آپس میں ربط اور تعلق کو بیان کیا ہے، اس طرح کہ طریقت کی بنیاد خلوت اور یکسوئی پر ہے اور شریعت میں زیادہ جلوت اور تعلقات میں کثرت ہے، لوگوں سے گزر کر بلاد تک اس کا تعلق ہے، اور شریعت ان دونوں کے درمیان ایک رابطہ ہے اس میں خلوت بھی ہے اور جلوت بھی ہے۔ اگر طریقت محض ہو اور خشک صوفیانہ مزاج ہو شریعت اور سیاست ساتھ نہ ہو تو اس خشک خلوت سے وحشت پیدا ہوتی ہے اور اگر شریعت محضہ ہو سیاست وطریقت ساتھ نہ ہو تو شدت پیدا ہوتی ہے، اور اگر سیاست کے ساتھ شریعت وطریقت نہ ہو تو تکبر اور جبر وظلم نمایاں ہوں گے۔ اور یہ تینوں صفات وحشت (لوگوں سے نفرت) شدت، ظلم وتکبر صفات کمال نہیں ہیں، اس لئے ان سب میں کمال ہونے کی شان جامعیت ہی سے پیدا ہوسکتی ہے کہ شریعت، طریقت اور سیاست تینوں میں اجتماع ہو، ان تینوں کو الگ الگ شمار نہ کیا جائے۔ ❶

بہرحال مذہبی اور دینی سیاست کو آلودگی سے تعبیر کرنے کا بیان محل نظر ہے۔ علامہ ابن خلدونؒ نے بیان اور خبر دینے کے لئے بھی سیاست کے قواعد اور فن کا لحاظ ضروری قرار دیا ہے، ورنہ اس لحاظ کے بغیر انسان سے غلطی واقع ہوسکتی ہے۔

لأن الأخبار اذا اعتمد فيها على مجرد النقل، ولم تحكم اصول العادة وقواعد السياسة وطبيعة العمران والأحوال فى الاجتماع الانسانى، ولا قيس الغائب منها بالشاهد والحاضر بالذاهب فربما لم يؤمن فيها من العثور ومزلة الأقدام والحيد عن جادة الصدق. ❷

❶ خطبات حکیم الاسلام، مولانا قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، مذہب اور سیاست، ج ۵ ص ۴۵۰...۴۵۳، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۹۸ء ❷ تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمٰن بن محمد بن محمد ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ، المقدمۃ فی فضل التاریخ، ج ۱ ص ۱۳، دار الفکر بیروت، ط ۱۴۰۸ھ

۶......دارالعلوم دیوبند اور سیاست

ہمارے مدارس اور جامعات کے مرکز دارالعلوم دیوبند ہے، اس کے علماء اور اساتذہ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی سیاست میں بھی حصہ لیا ہے، اور اس کو دین اور اہل سنت والجماعت کا جز سمجھتے ہوئے کیا ہے۔ چنانچہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت قاری محمد طیبؒ سیاست شرعیہ کو دین، مذہب اہلسنت والجماعت اور مسلک دیوبند کا جزء قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: سیاست شرعیہ دین کا اہم ترین جزء ہے اور اسی نسبت سے وہ اسلام کے اولین مظہر کامل اہلسنت والجماعت کے مذہب کا جزء ہے، اور اہلسنت کے اصل اور قدیم مظہر اسلام ہونے کی نسبت وہ علمائے دیوبند کے مسلکی مزاج کا بھی جزء ہے،،۔ سیاسی فتنوں کا سیاست شرعیہ سے مدافعت کرنے کی اہمیت کو قاری محمد طیب صاحبؒ یوں ذکر کرتے ہیں: جو فتنہ جس رنگ سے آیا اسی رنگ سے اسکا کامیاب مقابلہ کیا گیا، اگر فتنہ عقل کے راستہ سے آیا تو متکلمین اور حکمائے اسلام کھڑے ہو کر قرآنی حکمت سے اس کا منہ توڑ جواب دیا، اگر نقل و درایت کے لحاظ سے آیا تو محدثین نے دینی علوم جمع کر کے اسے جمنے نہیں دیا، اگر فتنہ درایتی انداز سے آیا تو فقہاء امت نے قرآنی وحدیثی استنباطوں سے اس کی کمر توڑ دی، اگر اخلاقی رنگ سے آیا تو صوفیاء علم اخلاق نے اسے کُچل کر رکھ دیا، اگر فتنہ نظم وسیاست کی لائن سے آیا تو خلفاء نے قرآنی سیاست سے اس کے راستے بند کر دیئے۔ ❶

دارالعلوم دیوبند برّ صغیر میں اسلامی زندگی کا بے خوف علم بردار، امام ابو حنیفہ کے مسلک کا داعی، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کا مبلغ، شاہ عبدالعزیز کے علم کا شارح اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے جذبات حرّیت کا سب سے بڑا امین رہا ہے، دارالعلوم دیوبند دینی علوم کی ایک مؤثر اور فعال تحریک ہے، تعلیمی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی لحاظ سے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں دارالعلوم نے اپنی گراں قدر خدمات کا نقش نہ بٹھایا ہو۔ ❷

❶ علماء دیوبند کا دینی رُخ اور مسلکی مزاج، قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، ص ۱۳۹،۱۷۴، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۸۸ء ❷ تاریخ دارالعلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ھ، ج ا ص ۱۳،۱۴، المیزان لاہور، ۲۰۰۵ء

دارالعلوم دیوبند صرف ایک دینی تعلیم گاہ ہی نہیں ہے بلکہ درحقیقت ایک مؤثر اور فعال تحریک ہے، اسی تحریک نے مسلمانوں کے عقائد اور اعمال کے خس وخاشاک کو جدا کر کے ان کو صاف اور بے میل اسلام سے روشناس کیا، شرک وتوہمات سے انہیں نجات دی، مسلمانوں کے دلوں سے خوف اور ڈر کو دور کر کے سیاسی اعتبار سے انھیں اس لائق بننے میں مدد پہنچائی تاکہ وہ آزادی کی تحریک میں قائدانہ طور پر حصہ لے کر مسلمانوں کے قومی وقار کو بلند کر سکیں۔ تعلیمی، اصلاحی اور سیاسی لحاظ سے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں انہوں نے اپنی عظیم الشان خدمات کا نقش قائم نہ کیا ہو، اکابر دارالعلوم دیوبند نے اسلامی عقائد، سماجی رسوم، دینی تعلیم وتربیت اور سیاسی جدوجہد کے گوناگوں مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ ❶

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: صرف یہی مدارس ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ حضرت شیخ الہند کون تھے؟ مدرسہ کے آدمی تھے، حضرت مدنیؒ کون تھے؟ مدرسہ کے آدمی تھے، مولانا عبدالباریؒ فرنگی محل کون تھے؟ مدرسہ کے آدمی تھے۔ ہمارے علماء اور مدارس کے فضلاء نے جنگ آزادی کی تحریک میں سب سے زیادہ قربانی دی اور سب سے زیادہ پیش پیش رہے۔ مالٹا اور انڈماں کی جیلوں میں کون رہا؟ ❷

اور علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا ہے: میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحے اور کسی وقفے میں بھی ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں جو دین وسیاست کی تفریق کے قائل ہیں، نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے وہ زندگی کے ہر نظام اور حالات کے ہر سانچے میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جائے اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے، اور نہ کبھی میرا تعلق اس گروہ

❶ تاریخ دارالعلوم دیوبند، مولانا سید محبوب رضوی متوفی ۱۹۷۹ھ، ج ا ص ۱۳۱..۱۴۱، المیزان لاہور، ۲۰۰۵ء

❷ علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں، مولانا ابوالحسن ندوی متوفی ۱۹۹۹ء، ص ۱۷۵، مجلس نشریات اسلام کراچی، ط ن

سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرہ ملعونہ کا مصداق سمجھتا ہے۔ میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قوموں کی صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں، میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو، میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک رہوں گا۔ ❶

حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: دارالعلوم کی سرگرمیاں محض درس و تدریس تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اس نے قومی، ملکی اور سیاسی معاملات میں بھی اندرونی حدود شرعیہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور لے رہا ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ کا جو نقش اپنے پاکیزہ لہو سے کھینچا تھا وہ ہر وقت علماء دیوبند کے سامنے ہے، ۱۸۵۷ء میں نانوتویؒ، گنگوہیؒ نے شاملی کے میدان میں تلوار اٹھائی حضرت نانوتویؒ مجاہدین کے قائد تھے، پھر ان کے تلمیذ شیخ الہندؒ اسی قیادت کو لے کر اٹھے اور آزادی ہند کے لئے وہی ۱۹۱۵ء کی ریشمی خط کی انقلابی تحریک کے قائد تھے اور پانچ سال تک فرنگی قید مالٹا میں رہے اور رہا ہونے کے بعد ہندوستان پہنچ کر اسی جوش جہاد سے جمعیت علماء ہند کی سرپرستی فرمائی اور آپ کے بعد یہ جماعت فضلاء دارالعلوم ہی کے تحت مصروف خدمت رہی۔ ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور پھر ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں کتنے ہی علماء نے قائدانہ حصہ لیا۔ ❷

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ان حضرات کی رائے کو بڑی سختی کے ساتھ رد کیا ہے جن کے خیال میں دارالعلوم دیوبند کا مقصد محض تعلیم و تعلم ہے، حضرتؒ فرماتے ہیں: دارالعلوم کی تحریک کا مرکب نصب العین صرف تعلیم ہی کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے ضمن میں آزادی پسندی، غلامی شکنی، اسلامی اتحاد، وطنی اتحاد، قومی خود مختاری، حق خود ارادیت، معاشی استغناء، وسائل قوت کی فراہمی، رابطہ عوام، تالیف خواص وغیرہ کے ملے

---

❶ نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، ص ۳۲، ۳۳، بحوالہ اسلام کا نظام سیاست وحکومت، مولانا پروفیسر محسن ندوی، ص ۳۷، نیو کریسینٹ پبلشنگ کمپنی دہلی، ط ن ❷ خطبات حکیم الاسلام، مولانا قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، خطبہ استقبالیہ، ج ۶ ص ۵۲۰، ۵۲۱، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۹۸ء

جلے جذبات کارفرما تھے اور دارالعلوم کی تاسیس ایک خاص مکتب فکر کی تاسیس تھی جیسا کہ حضرت والا (نانوتویؒ) کے اصول ہشت گانہ اور جاری کردہ نظام کار سے واضح ہے...اگر محض مذہبی تعلیم و تعلم ہی نصب العین کی آخری حد تھی تو مدرسہ میں سپاہ گری (سپاہی کا کام، جنگ کی تیاری) کے شعبہ کے قیام کی ضرورت ہی کیا ہوسکتی تھی؟ جسے حضرت والا نے اہتمام کے ساتھ خود قائم فرمایا، نیز محض تعلیم ہی پیش نظر ہوتی تو حضرت والا صنعت وحرفت کا شعبہ اس مدرسہ میں قائم نہ فرماتے جو خالص معاشی مسائل سے تعلق رکھتا ہے، پھر اگر یہ محض مذہبی مکتب تھا تو حضرت والا شرعی محکمہ قضاء قائم فرما کر اعضاء مدرسہ کو اسکا جج مقرر نہ فرماتے جو خالص ایک سیاسی مسئلہ تھا، اسی طرح صرف مذہبی تعلیم ہی کا خاکہ مدرسے کے کاروبار کی آخری حد ہوتی تو مدرسہ کے چندہ میں ہندوؤں غیر مذہب کے لوگوں کے عطیات شامل کئے جانے کا تصور سامنے نہ آنا چاہیئے تھا، نہ ہندو مسلمانوں کے بلاتخصیص مذہب وملت چندے قبول کئے جاتے اور نہ ہندو چندہ دہندگان کی دعا وشکریہ سے ہمت افزائی کی جاتی۔ پھر اگر مدرسہ کی انتہائی غرض محض کتابی درس و تدریس تھی تو حضرت والا اس مدرسہ کے سرپرست اور ہمہ اوست ہوتے ہوئے سلطانی چندہ کی بنیاد ڈال کر اور خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خان والی ترکی کی مدح میں قصائد لکھ کر خلافت ترکی سے رشتۂ ارتباط قائم کرنے کی صورتیں پیدا نہ فرماتے۔گویا آپ نہ صرف ملک کی اندرونی اقوام ہی سے رشتۂ یگانگت قائم فرمانے کے داعی تھے بلکہ بیرون ملک سے بھی رشتہ اتحاد کے سلسلے پھیلانا چاہتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدرسہ محض کتب درسی کی تعلیم کا مدرسہ نہ تھا بلک حضرت اسے ایک ملی جلی تحریک کے مرکز کی حیثیت سے قائم فرمارہے تھے جن کے نظام کار میں علم و عدل، معاش ومعاد، قوم اور وطن اور دین و مذہب کی حمایت ونصرت کے ملے جلے جذبات ایک دم پیش نظر تھے جو حضرت والا کے وسیع اور ہمہ گیر ذہن سے نکل کر اس مدرسہ کی بنیادوں میں پیوست ہوئے اور اس کے اثرات تعلیمی راہوں سے اس ادارہ کے تربیت یافتہ فضلاء

متوسلین میں حسب استعداد و قابلیت نفوذ پذیر ہوتے رہے۔ ❶

۷......وفاق کے ابتدائی منتظمین

آج کل ہمارے بہت سے اکابر اور ساتھی یہ کہتے ہیں کہ وفاق المدارس ایک تعلیمی تنظیم ہے، اس کو سیاست سے نہ جوڑا جائے، اور ساتھ یہ اس بڑے عہدیدار غیر سیاسی ہونے چاہئیں، اور کسی سیاسی کو اس کے اہم عہدے پر ہونا مناسب نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے خیال میں صدر اور یا ناظم کے منصب پر ایک سیاستدان عالم کے ہونے میں کوئی حرج نہیں ہوگا بلکہ مفید ہوگا، اس لئے کہ مدارس اور وفاق کے بہت سے مسائل اور معاملات کا تعلق حکومت سے ہوتا ہے، جن کو دوسروں کی بنسبت ایک سیاستدان اچھی طرح سمجھ اور حل کر سکتے ہیں۔ ہم جب کی ابتدا اور بنیاد کو دیکھتے ہیں، تو اس کے سب سے پہلے صدر حضرت علامہ شمس الحق افغانی صاحبؒ اور ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود صاحبؒ تھے، اور دونوں سیاسی تھے۔ مفتی محمود صاحبؒ کا سیاسی ہونا تو ہر ایک معلوم ہے، کہ ایک طرف وہ وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ تھے، تو دوسری طرف وہ جمعیت علماء اسلام کے بھی ناظم اعلیٰ تھے۔ اسی طرح علامہ شمس الحق افغانیؒ اگر چہ تصوف کے اعتبار سے وہ تھانوی مزاج کے تھے، لیکن فکر اور سیاسی لحاظ سے وہ جمعیت علماء اسلام کے ساتھ وابستہ تھے۔ وہ جمعیت علماء اسلام کے دستور کے مرتبین اور بانیوں میں سے ہیں، چنانچہ اس بارے میں تفصیل اس طرح ہے: کہ غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے دستور ساز اسمبلی کے ذریعے ایک دستور وضع کر کے پاس کیا تھا، اس پر غور و خوض کے لئے ملتان میں حضرت مولانا مفتی محمود کی میزبانی اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی صدارت میں علماء کنونشن کا انعقاد کیا گیا اس میں جید اور چوٹی کے علماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، قاضی حسین احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا لال حسین اخترؒ اور دیگر اکابر نے شرکت کی، یہ کنونشن ۹۔۸۔۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو تین دن

❶ خطبات حکیم الاسلام، مولانا قاری محمد طیب متوفی ۱۴۰۳ھ، آزادی ہند کا خاموش رہنما، ج ۶ ص ۵۵۹...۵۶۱، ادارہ اسلامیات لاہور، ط ۱۹۹۸ء

جاری رہا، اس کنونشن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں علماء کی اجتماعی ذمہ داری اور علماء کی تاریخ، کارکردگی اور پاکستان بننے کے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی۔ اسی موقع پر جمعیت کی تنظیم نو اور نیا انتخاب بھی عمل میں آ گیا، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ امیر اور حضرت غلام غوث ہزارویؒ ناظم عمومی منتخب ہوئے جبکہ مولانا مفتی محمود اور مولانا محمد امیر منچن آباد بہاولپور نائب صدر اور مولانا عبدالواحد ناظم قرار پائے۔ اسی اجلاس میں جمعیت کے مقاصد، اغراض اور قواعد کیلئے مولانا شمس الحق افغانیؒ، مفتی محمد عبداللہؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا عبدالحنانؒ اور مولانا عبدالواحد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی، اجلاس کے دوسرے سیشن میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے اغراض و مقاصد پیش کئے جو اتفاق رائے سے منظور ہوئے، اور تیسرے سیشن میں مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیت کے قواعد وضوابط پیش کئے جن میں جمعیت کی رکن سازی اور عہدیداروں کا طریقہ انتخاب، مجلس عمومی، مجلس شوریٰ اور مجالس عاملہ کے اراکین اور ذمہ داروں کے اوصاف وغیرہ کے قواعد وضوابط تھے۔ (۱)

اور اگر کوئی سیاسی نہ ہو تو کم از کم ان عہدوں میں کسی ایک پر مدنی مزاج والا برقرار رہنا چاہئے، اس لئے کہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں شک وشبہ تو نہیں ہے کہ تھانوی حضرات تصوف اور تعلیم وتصنیف کے میدان میں اونچے درجے کے رجال کار رہے ہیں، لیکن سیاسی اور کوئی دوسری تنظیم چلانے میں وہ فعال کردار ادا نہیں کر سکے ہیں۔ ان کی سیاسی جماعت مرکزی جمعیت علماء اسلام اور نظام اسلام پارٹی کی جماعتوں کے حال سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان میں قیادت کے فقدان کی وجہ سے یہ دونوں جماعتیں پردہ عدم میں ایسی چلی گئیں کہ اب تو ان کا نام ونشان نہیں رہا۔ اسی طرح ان کی ایک غیر سیاسی تنظیم ''مجلس صیانۃ المسلمین'' کے حال سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس طرح غیر فعال ہے کہ بمنزلہ عدم کے ہے۔ لہذا اگر وفاق المدارس کی تنظیم ان کے ہاتھوں میں چلی گئی تو اس کے عدم اور غیر فعال ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

(۱) ماہنامہ الجمعیۃ راولپنڈی، اپریل ۲۰۱۷ء، خصوصی اشاعت ص ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۹۸، عہد ساز قیادت ۵۷، ۵۸

امام مالکؒ کا قول ہے کہ ''لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا'' ❶

اس اصول کی بنا پر وفاق المدارس کی ابتدا اور قیام کے زمانہ کو دیکھنا چاہئے، اس میں کم از کم ناظم اعلیٰ ایک بڑے مذہبی سیاستدان مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ نظر آتے ہیں۔ تو اب بھی اس بنیاد اور اول کو دیکھ کر ایک عہدے پر مذہبی عالم سیاستدان کا ہونا مفید رہے گا۔

میں اس کتاب کا اختتام شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن نور اللہ مرقدہ کے اقوال پر کرنے چاہتا ہوں۔ اسلام کو ضابطہ حیات اور کامل وجامع نظام قرار دیتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی اور سیاسی ضرورتوں کے متعلق ایک کامل ومکمل نظام رکھتا ہے۔ جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور وہ صرف حجروں میں بیٹھ رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے ہیں، وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں۔ ان کے فرائض صرف نماز روزہ میں منحصر نہیں، بلکہ ساتھ ہی اسلام کی عزت برقرار رکھنے اور اسلامی شوکت کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے۔ علماء کو احساس ذمہ داری دلانے کے لئے ان کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرماتے ہیں: جماعت علماء جو حقیقتاً مسلمانوں کے مذہبی قائدین ہیں، ان کا فرض ہے کہ اس وقت اور موقعہ کی نزاکت اور اہمیت کو نظر انداز نہ کریں، آپس کے نزاع اور اختلاف میں پڑ کر اصل مقصود کو خراب نہ کریں، ورنہ مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کی تمام ذمہ داری انہیں پر عائد ہوگی۔ علمی تدقیقات کے لئے آپ کے واسطے بہت سے میدان کھلے ہوئے ہیں، عبادات وریاضت کے لئے بہت سی راتیں آپ کو بلا شرکت غیرے حاصل ہیں، مگر جو کام جبل احد اور میدان بدر میں ہوا وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس جگہ کے مناسب نہ تھا۔ (یعنی

❶ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع متوفی ۱۹۷۶ء، ج ۵ ص ۴۵۹، مکتبہ دار العلوم کراچی، ط ۲۰۱۳ء

مسجدوں اور حجروں سے باہر نکلنا بھی علماء کی ذمہ داری ہے)۔

نیک اور عبادت گذار بندوں کو خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا: بہت سے نیک بندے ہیں جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچاؤ، تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس مسلط ہو جاتا ہے، خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں اور ان کے سامان حرب وضرب کا۔ حالانکہ ان کو سب سے زیادہ جاننا چاہیے تھا کہ خوف کھانے کے قابل اگر کوئی چیز ہے تو وہ خدا کا غضب اور اس کا قاہرانہ انتقام ہے، اور دنیا کی متاع قلیل خدا کی رحمتوں اور اس کے انعامات کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ❶

اللّٰهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

❶ مولانا محمود حسن شیخ الہند، حافظ محمد ابوبکر شیخ، ص ۵۶، ۵۷، الجمعیۃ میڈیا فاؤنڈیشن، ط ن، علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے، مولانا سید محمد میاں متوفی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۷، ۲۴۸، جمعیت پبلی کیشنز لاہور، ط ن